Kashif Bashir Kashif

ماہنامہ

دوست

بچوں کا رسالہ جسے بڑے بھی پڑھ سکتے ہیں

مئی 1993

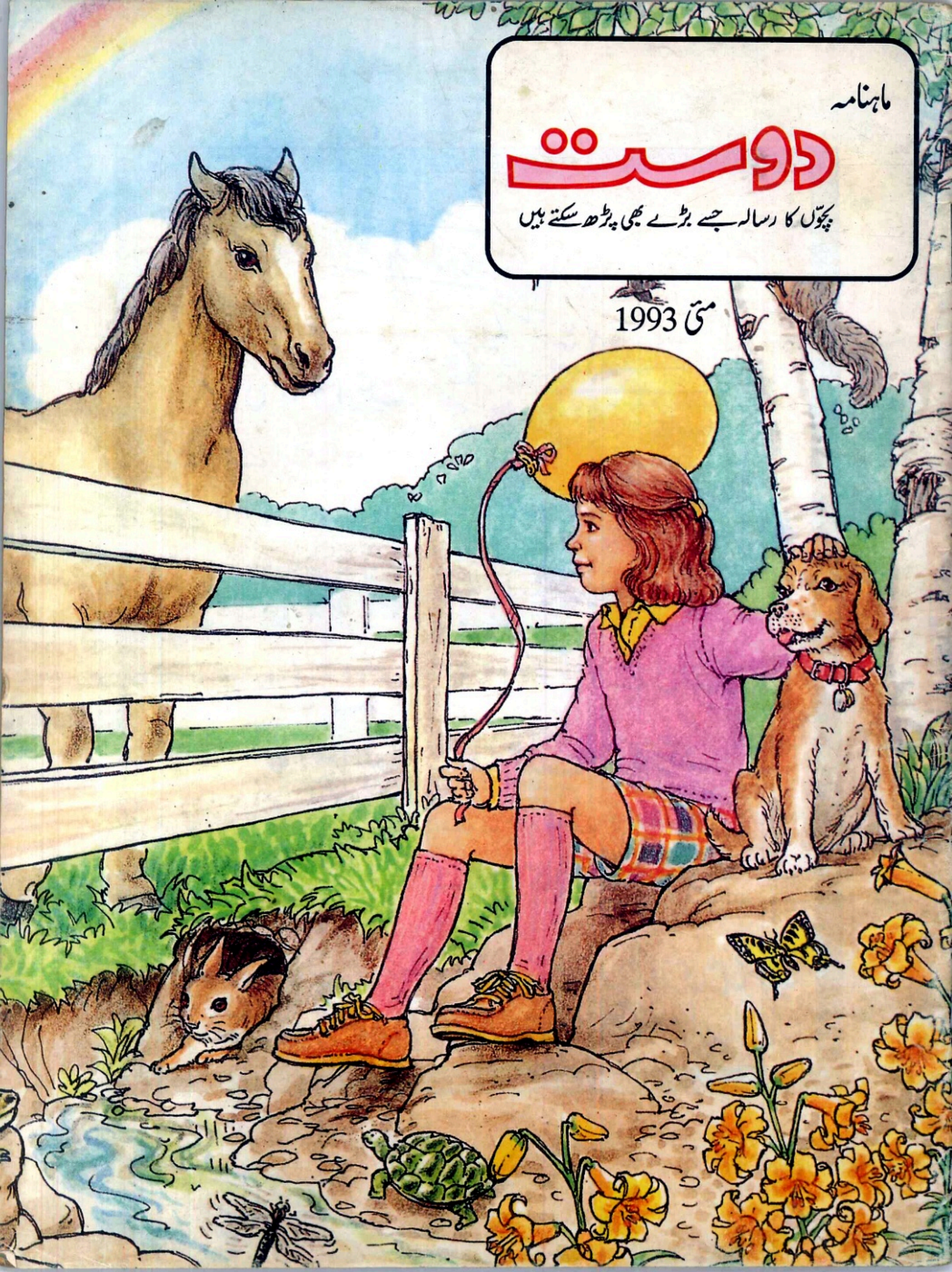

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor; www.jawanadab.com)

www.jawanadab.com --- Kashif Bashir Kashif: 03336912300

"دوست" کی سالانہ خریداری پر

شاندار انعامات

۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء تک
بننے والے ماہنامہ دوست
کے تمام سالانہ خریداروں
کے درمیان قرعہ اندازی

قرعہ اندازی ۱۰ اگست ۱۹۹۳ء کو کی جائے گی جس میں

- پہلا انعام ـــــ ٹیپ ریکارڈر
- دوسرا انعام ـــــ پاکٹ ریڈیو
- تیسرا انعام ـــــ کلائی گھڑی

دیا جائے گا ـــــ دوستو، آپ اس قرعہ اندازی میں شریک ہونے کے لیے جلد از جلد سالانہ خریداری کا کوپن بھر کر ہمیں ارسال کر دیں۔

www.jawanadab.com
Kashif Bashir Kashif: 03336912300

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

دوست

بچوں کا رسالہ جسے بڑے بھی پڑھ سکتے ہیں۔

مئی 1993

جلد : ا ـــــــــــــــــ شمارہ : 10

چیف ایڈیٹر	:	آصف محمود
ایڈیٹر (اعزازی)	:	حسن عباس رضا
تزئین (اعزازی)	:	ایم ڈی علوی تجمل شاہ
پروڈکشن	:	طالب محمود
سرکولیشن منیجر (اعزازی)	:	حمید قیصر
سرورق	:	ٹی۔ جے۔ بھٹی

ا۔ شکیل چیمبرز، خیابانِ سہروردی، پوسٹ بکس نمبر : 2958
اسلام آباد 44000 ـــــــــــ فون : 215290

قیمت فی شمارہ	:	آٹھ روپے
زرسالانہ بذریعہ عام ڈاک	:	بانوے روپے
زرسالانہ بذریعہ رجسٹری	:	ایک سو اٹھاسی روپے

پبلشر آصف محمود نے ورڈمیٹ پرنٹرز سے چھپوا کر
ا۔ شکیل چیمبرز، خیابانِ سہروردی اسلام آباد سے شائع کیا

پہلی بات

ماہنامہ دوست کے حقوق اطفال نمبر کی جس پیمانے پر پذیرائی کی گئی اور جس قدر اسے پسند کیا گیا، اس نے ہمارے حوصلے مزید بڑھا دیئے۔ ہمیں کامل یقین تھا کہ "دوست" کے لیے کی گئی ہماری محنت رنگ لائے گی۔ سو اپنے دوستوں کی اس بے پناہ محبت کے لیے ہم ان کے بے حد شکر گزار ہیں۔

ملک کے ممتاز اور صاحب طرز ادیب ستار طاہر کے انتقال پر ملال نے ہمیں جس ذہنی صدمے سے دوچار کیا، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ مرحوم نہ صرف ایک بلند پایہ مصنف تھے بلکہ ایک مہربان دوست اور شفیق ساتھی بھی تھے۔ اللہ پاک انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور ان کے درجات بلند کرے۔ دوست کے لیے ان کا شروع کیا ہوا ناول تریاق ادھورا رہ گیا، جس کا آپ کو بھی دکھ ہو گا اور ہمیں بھی بہت رنج ہے۔ مگر کیا کیا جائے کہ تقدیر کا فیصلہ اٹل ہوتا ہے۔ اس کے سامنے کسی کا بس نہیں چلتا۔

آئندہ ماہ سے ہم دوست میں ملک کے نامور ادیب اور بچوں کے پسندیدہ مصنف اشتیاق احمد کا نیا ناول قسط وار شائع کر رہے ہیں۔ امید ہے دوست کے قارئین اسے پسند کریں گے۔

ترتیب

روشنی	گلدار آفاقی	2
ستار طاہر کے نام	ح ع ر	3
ابن رشد	محمد اسلام نشتر	4
ذہنی آزمائش		7
ہیرا نکلیس	اشفاق سلیم مرزا	8
ہونہار بیٹا	محمد علی چراغ	10
فرشتہ سیرت	رئیس احمد عرشی	12
سلامتی	محمد فاروق انجم	14
دوستی	محمد ادریس قریشی	18
خواب (نظم)	سلیم فاروقی	21
کھوکھلی ڈائری	محمد شہزاد کستوری	22
دوستی (نظم)	حفیظ الرحمن احسن	24
پلاٹ اور ہم۔ ادئی	ہمایوں مجاہد تارڑ	26
فاختہ لوٹ آئے گی	کلیم خارجی	29
شکریہ ترا یارب (نظم)	اختر تیغ	33
آؤ مسکرائیں		34
نئے قلمکار		37
دوست نامے		40
قلمی دوستی		43
قلعہ روھتاس کی کہانی	منیر احمد خان	44
قول	شاہد انور شیرازی	45
انعام یافتہ کہانی	فریحہ احتشام راؤ	47
آؤ کہانی بنائیں		48

روشنی

یوم مئی
مولوی کرم داد سے عبدالکریم تک

گلزار آفاقی

ابھی بہت سویرا تھا۔ گاؤں پوری طرح جاگا نہیں تھا۔ البتہ مولوی کرم داد

www.jawanadab.com
Kashif Bashir Kashif: 03336912300

گریہ کی آواز ابھر رہی تھی۔ ایک کمرے کے اس گھر میں مولوی صاحب اپنے بیٹے عبدالکریم کے ساتھ رہتے تھے جس نے پچھلے سال میٹرک پاس کیا تھا۔ مولوی کرم داد لکڑی کے کاریگر تھے۔ دیہات میں رہتے ہوئے ان کا زندگی بھر کا تجربہ و مشاہدہ کاریگروں اور دستکاروں کی ذلت و رسوائی کے روح فرسا واقعات و حوادث، پر مشتمل تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ پٹواریوں، تحصیل داروں اور محکمہ مال کے بابوؤں کی آؤ بھگت، قدر و منزلت اور دنیاوی شان و شوکت کا بھی وسیع علم رکھتے تھے۔ مولوی کرم داد کی دیرینہ خواہش تھی کہ ان کا عبدالکریم پڑھ لکھ کر محکمہ مال میں بابو بن جائے۔ گاؤں والے اس کی عزت کریں اور کوئی اسے کمی کمین کا طعنہ نہ مارے۔ ان کے تیور گھوم جاتے جب کوئی انہیں ان کے کام کی نسبت سے کم درجہ انسان سمجھتا۔ ان کی حیاتی تو اب بڑھاپے کی دہلیز پر تھی مگر وہ چاہتے تھے کہ کم از کم ان کا وارث عبدالکریم عزت کی زندگی بسر کرے۔ اس خواہش کی تکمیل کے لئے وہ منہ اندھیرے مسجد جانے سے پہلے لالٹین روشن کر کے اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگتے۔ بعض اوقات تو انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے لالٹین سے پھوٹنے والی نرم لو محکمہ مال کو جانے والے راستے میں بدل گئی ہے اور عبدالکریم اس پر چلتے ہوئے کلرک بابو کی کرسی پر جا بیٹھا ہے۔

مولوی کرم داد کا خواب پورا نہ ہو سکا۔ عبدالکریم محکمہ مال کا بابو بننے کی بجائے بے روزگاری سے تنگ آ کر اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مولوی صاحب اپنی نسل کو کمی کمین کے طعنے سے بچانے کی خواہش دل میں لئے اگلے جہاں کو سدھار گئے۔ اب لکڑی کا کاریگر عبدالکریم گاؤں کا کمی کمین تھا۔ بالکل جس طرح کپڑا بننے والے غلام محمد، جوتی مرمت کرنے والے کمال دین، چوکیداری کرنے والے رحمت علی، ٹیلر نگ کا کام کرنے والے محمد بخش، بال تراشنے والے کرم علی یا مٹی کے برتن بنانے والے چاچا بہار دین کمی کمین سمجھے جاتے تھے۔ مختلف پیشوں اور دستکاریوں سے وابستہ یہ افراد اپنی تمام تر نیک نامی، پارسائی اور کردار کی پاکیزگی کے باوجود کم درجے کے انسان سمجھے جاتے۔ ذلت و رسوائی ان کا نسل در نسل مقدر ہوتی۔ بے چارے مولوی کرم داد کو یہ راہ سوجھی کہ وہ پیشے کی معرفت ملنے والی رسوائی کو آگے اپنی اولاد تک منتقل نہ ہونے دیں اور ان کا بیٹا عبدالکریم کوئی دوسرا پیشہ کرلے۔ مولوی کرم داد کی رسوائی سے نجات کی خواہش سے کسی کو کوئی نہیں مگر انہوں نے جو ناکام کوشش کی وہ اگر نتیجہ خیز ہو بھی جاتی تو اس سے محض ان کا ذاتی مسئلہ حل ہوتا، اس سے دیہی معاشرے میں دستکاروں اور کاریگروں کی اجتماعی ذلت میں کوئی کمی نہ آتی۔

عزیز بچو، جہاں تک پیشوں کا تعلق ہے تو یہ انسانی ضرورت کا حصہ ہیں، جوں جوں انسان نے ترقی کی کام کاج کے نئے نئے اوزار تخلیق ہوئے، ایک سے ایک نیا پیشہ سامنے آتا رہا اور لوگ ضرورت اور صلاحیت کے مطابق ان پیشوں سے وابستہ ہوتے رہے۔ برقی اور سائنسی ایجادات کے موجودہ دور کو چھوڑ دیں تو کروڑوں اربوں سال سے نسل انسانی کا قافلہ ہاتھ سے محنت کرنے والے انہی دستکاروں اور کاریگروں کی مدد سے ارتقاء کی منزلیں طے کرتا رہا ہے۔ آج بھی ہم اپنے گردوپیش کی زندگی میں آرام و آسائش اور دیگر ضروریات کی جو سائنسی اور صنعتی مشینیں اور ساز و سامان دیکھتے ہیں وہ بنیادی طور پر ماضی کے ہنرمندوں اور کاریگروں ہی کا ایجاد کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب اور شائستہ معاشرے اپنے کاریگروں، دستکاروں اور ہنرمندوں کو بے حد عزت و احترام دیتے ہیں۔ ان معاشروں میں کپڑا بننے اور سینے، جوتا سازی، زلف تراشی، ظروف سازی، اور لکڑی کا کام کرنے والے لوگ قابل فخر اثاثہ سمجھے جاتے ہیں۔

ہم اہل پاکستان ماضی کے مخصوص حالات اور موجودہ معاشرتی نظام کے تحت جاگیرداری کلچر کا شکار ہیں۔ یعنی ہمارے ہاں دیہی معاشرہ زمین کی غیر منصفانہ تقسیم کے باعث غربت اور امارت کی دو انتہاؤں کو پہنچا ہوا ہے۔

بقیہ۔ صفحہ 36 پر

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.lawanadab.com)

ایک خط ستار طاہر کے نام

بھائی۔۔۔بے اعتبار موسوں میں اگر کوئی قابل اعتبار دوست مل جائے تو ہم اسے حالات کی کرم فرمائی اور اپنی خوش بختی قرار دیتے ہیں۔۔۔ سو ہمارے ساتھ بھی اسی طرح ہوا، کہ بے حسی کی ایسی رتوں میں ہمیں آپ جیسے شخص کی دوستی اور رفاقت مل گئی۔ ہم ایک مدت سے اپنی اس خوش نصیبی پر نازاں تھے۔ گو کہ آپ سے کتاب اور قلم کا رشتہ تو بہت پرانا تھا، مگر دوست کی اشاعت نے محبت اور خلوص کے اس رشتے کو اور زیادہ مستحکم اور دل کے قریب کر دیا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ عید سے ایک ہفتہ قبل میں نے آپ کو خط تحریر کیا تھا کہ قسط وار ناول تریاق کی قسطیں جو آپ نے ارسال کی تھیں وہ ختم ہو چکی ہیں لہذا مہربانی فرما کر اگلی اقساط روانہ کر دیں۔ اس کے جواب میں آپ نے آصف صاحب کو جو خط لکھا اس میں درج تھا کہ میں انشاء اللہ عید کی چھٹیوں کے بعد یعنی 28 مارچ کو اسلام آباد آؤں گا اور تریاق کی بقیہ قسطیں اور آئندہ کے ناولوں کے مسودے آپ کے حوالے کر دوں گا۔ مگر۔۔۔ مگر ستار بھائی آپ نے یہ کیا کیا کہ زندگی میں پہلی بار وعدہ خلافی کر دی۔ نہ خود اسلام آباد تشریف لائے اور نہ مسودے پہنچے اور پہنچی تو دکھ کی ایک خبر کہ آپ نے ہمیشہ کے لیے ہم سے اپنا دامن چھڑا لیا ہے۔۔۔ لگتا ہے ہم سے کیے گئے وعدے کے مقابلے میں وہ وعدہ زیادہ قابل اعتبار ٹھہرا جو آپ نے موت سے کر لیا تھا۔ ہمیں ملنے کی بجائے، آپ نے موت کو گلے لگا لیا۔

بھائی یہ موسم تو جدائی کا نہیں تھا۔ یہ تو پھولوں کے کھلنے اور کلیوں کے چٹکنے کی رت تھی۔ یہ موسم تو بہار کے اولین اور مہکے ہوئے دنوں کا موسم تھا، یہ موسم تو ملاپ کا موسم تھا، بھلا اس میں کوئی یوں بچھڑتا ہے۔۔۔!؟

دوست کے بے شمار قارئین نے آپ کے ناول تریاق کو بے حد پسند کیا اور وہ تقریباً اپنے ہر خط میں اس ناول کی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔ اور بڑی بے چینی اور اشتیاق سے اس کے منطقی انجام کا انتظار کر رہے تھے۔

مگر افسوس کہ ناول کے اختتام سے پہلے ہی آپ نے اپنی زندگی کو اختتام سے دوچار کر دیا۔۔۔

اب ہمارے دوست قارئین کو تریاق کے انجام سے کون آگاہ کرے گا۔۔۔ کون ہو گا جو اتنی محبت، اپنایت اور چاہت سے دوستیاں نبھائے گا۔۔۔ کون ہو گا جو آپ کے بچوں کے سر پر دست شفقت رکھے گا۔ کیونکہ وہ بچے تو آپ کی شفقتوں کے سائبان سے محروم، زمانے کی تیز دھوپوں میں جلنے کے لیے تنہا رہ گئے ہیں۔۔۔ دعا ہے کہ اللہ پاک ان کو صبر دے اور آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

آپ کو تو اچھی طرح یاد ہے نا کہ عالمی شہرت یافتہ شاعر پابلو نیرودا کی وفات پر مرحوم اختر حسین جعفری نے ایک نوحہ لکھا تھا۔ جس کی آخری سطریں تھیں۔

تجھے کس پھول کا کفن ہم دیں
تو جدا ایسے موسموں میں ہوا
جب درختوں کے ہاتھ خالی تھے

مگر ستار صاحب، آپ تو ایسے موسموں میں جدا ہوئے جب درختوں کے ہاتھ اور دامن پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ ہر طرف رنگ برنگے گلابوں کے تختے سجے ہوئے تھے۔ ہم آپ کے کفن کو پھولوں کا تحفہ دے تو سکتے تھے مگر کیا کریں کہ اپنے پیاروں کی جدائی کے کڑے لمحوں میں آنکھیں پرنم اور ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔

اور آج میرے ہاتھ بھی شل ہیں۔ اس قدر شل کہ میں آپ کو سلام کرنے کے لیے ہاتھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔

اللہ پاک آپ کے درجات بلند کرے۔

آپکا

حسن عباس رضا

www.jawanadab.com
Kashif Bashir Kashif: 03336912300

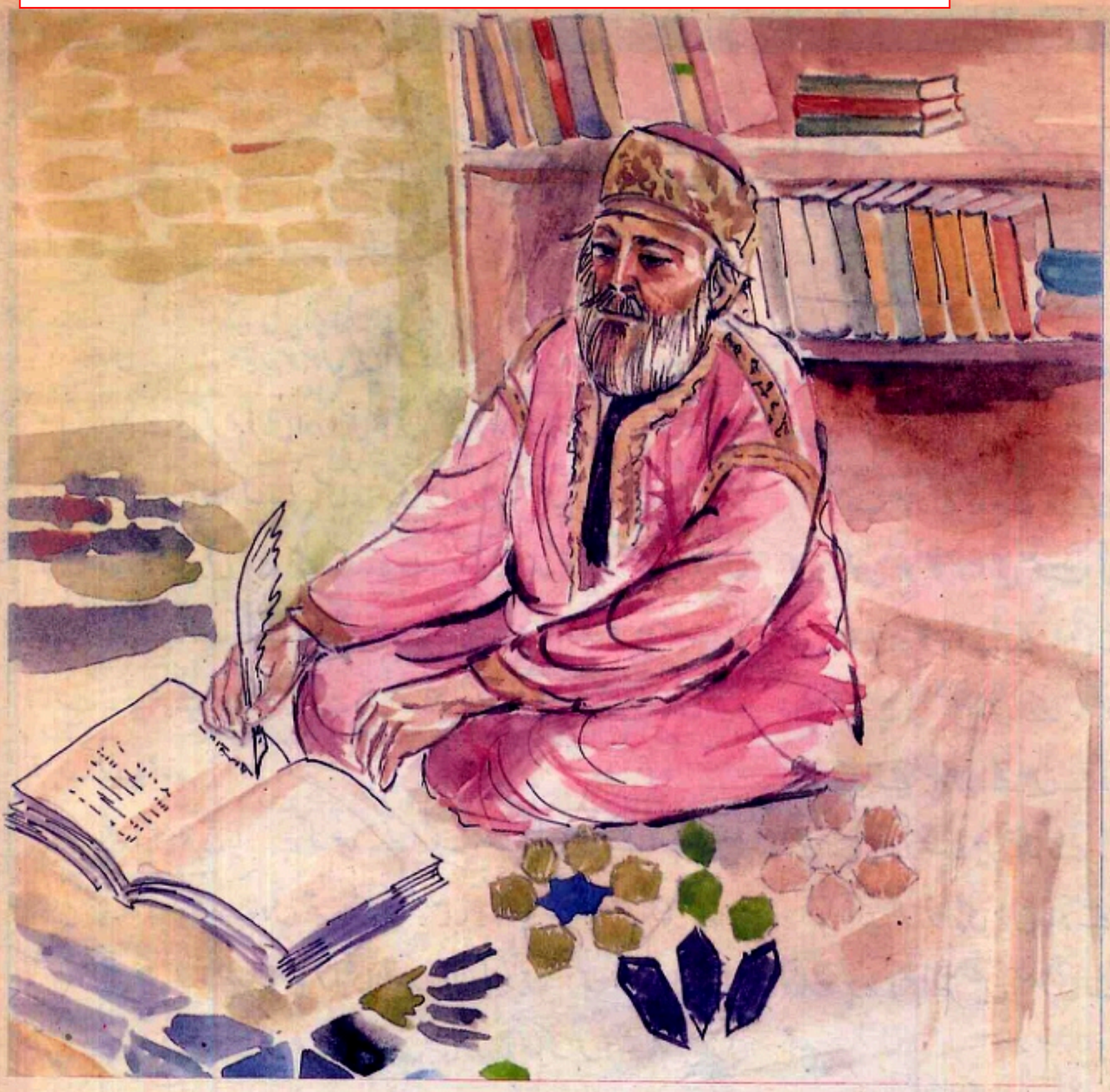

نامور مسلمان سائنسدان

ابن رشد

محمد اسلام نشتر

ابن رشد بارھویں صدی عیسوی کے نامور فلسفی اور سائنس دان تھے۔ ان کا پورا نام ابو الولید محمد احمد بن محمد بن رشد تھا۔ انہوں نے اس دور میں اپنا نام روشن کیا جب زندگی کے ہر میدان میں مسلمانوں نے دنیا بھر کی قوموں پر اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی۔ وہ سائنسی علوم میں خاص طور پر دوسروں کے رہبر اور رہنما تھے۔ دنیا جانتی ہے کہ مسلمانوں نے یونانیوں کے دم توڑتے علوم کو تجربے کی دنیا سے روشناس کرایا۔ ان سے پہلے تو تجربے کو کم عقلی کی بڑی نشانی قرار دیا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے تجربی طریقے نے سائنس کی وہ راہیں دکھائیں کہ جدید سائنس آج بھی اسی اصول کو اپنائے ہوئے ہے۔ ہم مسلمان اپنے اس اعلیٰ مقام کو برقرار نہیں رکھ سکے لیکن ہمارے قائم کیے ہوئے اصول کامیابی سے اب بھی نافذ ہیں۔ مسلمانوں میں اس دور میں بڑے بڑے عالم اور ماہرین پیدا ہوئے۔ انہی ہستیوں میں سے ایک ابن رشد تھے۔ انگریزوں نے بعد میں انہیں ایوروز کے نام سے یاد رکھا۔

ابن رشد اب سے کوئی پونے نو سو سال پہلے ۵۶۰ھ یعنی ۱۱۲۶ء میں اسپین کے شہر قرطبہ میں ایک قاضی کے ہاں پیدا ہوئے۔ اسپین اس زمانے میں اندلس کہلاتا تھا۔ ابن رشد کے باپ اور دادا دونوں قرطبہ کے قاضی ہوئے اس لیے خاندان کی معاشرے میں بڑی عزت تھی۔ دادا تو امام مالک کی تعلیمات کے ایک بڑے عالم، کئی کتابوں کے مصنف اور جامع مسجد قرطبہ کے امام بھی تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اور پھر طب اور قانون کی تعلیم سب قرطبہ میں ہی حاصل کی۔ لیکن بعد میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ انہوں نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ علم حاصل کرنے میں گزار دیا۔ مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ ایک قول کے مطابق پوری زندگی میں وہ صرف دو راتیں مطالعہ نہ کر سکے، ایک شادی کی رات اور دوسری انتقال کی رات، اساتذہ میں سے ترجالہ کے ابو جعفر ہارون اور ابن باجہ سے فلسفے اور قانون کی تعلیم حاصل کی۔

اسپین کے مشہور اموی خلیفہ الحکم نے قرطبہ میں ایک شاندار لائبریری تعمیر کرائی تھی۔ جس میں پانچ لاکھ کتابیں تھیں۔ الحکم نے ان میں سے زیادہ تر کتابیں خود پڑھیں اور ان پر مختصر تبصرے بھی لکھے۔ دو صدیاں بعد ابن رشد

جیسے عالم فاضل لوگوں نے ان کتابوں کو پڑھ کر دنیا میں علم کی روشنی پھیلائی۔

نوجوان اور روشن دماغ ابن رشد کی عمر جب پچیس چھبیس سال تھی تو وہ ایک بڑے عالم کی حیثیت سے شہرت پا چکے تھے۔ چنانچہ ۱۱۵۳ء یعنی ۵۴۸ھ میں اس وقت کے نامور عالم ابن طفیل نے انہیں مراکش بلا بھیجا۔ ابن طفیل نے خلیفہ ابو یعقوب یوسف الموحد سے ان کی واقفیت کرادی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ خلیفہ نے ابن رشد کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ خلیفہ سے ان کی ملاقات ہوئی تو اس نے خود کئی علمی باتیں ابن رشد سے کہیں۔ ملاقات کے بعد خلیفہ نے انہیں قیمتی تحائف دے کر رخصت کیا۔ مراکش میں ہی قیام کے دنوں میں ابن طفیل نے ابن رشد سے کہا کہ خلیفہ یونانی فلسفیوں کی کتابوں کے آسان زبان میں ترجمے کرانے کا خواہش مند ہے۔ بادشاہ کو بڑا دکھ ہے کہ ارسطو، سقراط، بقراط، جالنیوس اور بطلیموس وغیرہ کی کتابوں کے اچھے ترجمے ابھی تک نہیں ہو سکے لہذا ابن رشد کو چاہیے کہ ان کی تشریح کا کام اپنے ذمے لے۔ یوں ابن طفیل نے ارسطو کی کتابوں کی شرح یعنی تشریح لکھنے کا مشورہ دیا۔

۱۱۲۹ء مطابق ۵۶۵ھ میں جب ابن رشد کی عمر ۴۳ سال تھی تو انہیں اشبیلیہ کا اور دو سال بعد اپنے وطن قرطبہ کا قاضی مقرر کیا گیا۔ اب ابن رشد کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں لیکن حیرت ہے کہ یہی وہ زمانہ ہے جب انہوں نے اپنی اہم ترین کتابیں لکھیں۔

۵۶ سال کی عمر یعنی ۱۱۸۲ء مطابق ۵۷۸ھ میں خلیفہ الموحد کے بیٹے یعقوب المنصور نے انہیں اپنے طبیب کی حیثیت سے مراکش بلا لیا تاکہ وہ اپنے بوڑھے محسن ابن طفیل کی جگہ لے سکیں۔ تھوڑے عرصے کے بعد ہی انہیں بڑا قاضی بنا کر قرطبہ بھیج دیا گیا۔ بد قسمتی سے ابن رشد خلیفہ یعقوب المنصور کی حکومت کے صرف شروع دور میں ہی اس کے قریبی درباری رہ سکے۔ دراصل فلسفے اور مذہب کی بعض باتوں کی وضاحت پر دوسرے علماء اور ان میں بڑا اختلاف شروع ہو گیا۔ خود خلیفہ کو بھی ان باتوں سے اختلاف تھا۔ چنانچہ ان الزامات میں قرطبہ کے نزدیک لوسینا میں انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں ۱۱۹۵ء کے لگ بھگ خلیفہ نے حکم دیا کہ تمام ایسی فلسفیانہ کتابیں جلا دی جائیں جو طب، حساب اور ابتدائی علم ہئیت سے تعلق نہیں رکھتیں۔ دراصل اس وقت ملک کے حالات کچھ ایسے تھے لیکن کوئی چار سال فلسفے کی تعلیم پر سے پابندی ہٹالی گئی۔ خلیفہ نے ابن رشد کو بھی مراکش اپنے دربار میں واپس بلا لیا۔ ابن رشد اس بار پھر بد قسمتی سے اپنی باعزت واپسی کو زیادہ عرصہ نہ دیکھ سکے کیونکہ مراکش واپسی کی تھوڑی مدت بعد ہی ۹ صفر ۵۹۵ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۱۹۸ء کو اس عظیم فلسفی اور سائنس دان کا انتقال ہو گیا۔ وفات کے بعد انہیں شہر کے قریب باب تغزوت کے باہر دفن کیا گیا۔

مسلمان دور کے اس عظیم دماغ نے طب، فلسفہ، منطق، موسیقی، فقہ اور سیاست وغیرہ میں قابل قدر علمی خدمات انجام دیں۔ اس کا اعتراف اپنوں سے زیادہ غیروں نے صدیوں تک کیا۔ ان کی اصل عربی کتابوں کا بڑا حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ عربی کی جو کتابیں بچ رہی ہیں، ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) تہافت التہافت جو امام غزالی کی کتاب تہافت الفلاسفتہ کے جواب میں لکھی گئی (۲) ارسوط کی بوطیقا اور ریطوریقا کی تشریحیں (۳) ارسطو کی کتاب مابعد الطبعیات پر سکندر الافرودیسی کی کتاب کے بعض حصوں کی تشریحیں (۴) ارسطو کی کتاب مابعد الطبعیات کی ضخیم شرح (۵) کتاب الجوامع (۶) فصل المقال اور کشف المناہج نامی دو رسالے۔ یہ دونوں رسالے مذہب اور فلسفے کے باہمی تعلق پر لکھے گئے۔ ان دونوں کی عبارت کو صحیح کرنے اور جرمن زبان میں ترجمے کا کام ملر نے کیا۔ یہ کتاب فلسفتہ ابن رشد کے نام سے قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔

علم نجوم پر بھی ایک رسالہ انہوں نے "کتاب فی حرکات الفلک" کے نام سے لکھا جس میں زمین کی گردش کے بارے میں بتایا۔ ابن الابر کے مطابق ابن رشد نے اپنی زندگی میں بیس ہزار صفحات سے زیادہ لکھا جسے جہاں بہت قبولیت ملی تو وہاں سخت تنقید کا نشانہ بھی بننا پڑا۔

ابن رشد نے ارسطو کی جو مشہور و معروف شرحیں لکھیں وہ تین قسم کی ہیں۔ ایک طویل مکمل تفصیلات کے ساتھ یعنی تفسیر، دوسری تلخیص نامی ذرا مختصر جبکہ تیسری خلاصہ کے نام سے بالکل مختصر صورت میں ہیں۔ یہ تہری ترتیب دراصل اسلامی یونیورسٹیوں کے تین تعلیمی درجوں کے لحاظ سے رکھی گئیں۔ خلاصہ پہلے سال، تلخیص دوسرے سال اور تفسیر تیسرے سال کے طلبہ کے لیے مرتب کی گئیں۔ عبرانی اور لاطینی زبان میں ترجمہ کیے گئے ارسطو کے رسالوں "انالوطیقا ثانی"، "طبعیات"، "کائنات"، "روح" اور "مابعد الطبعیات" پر ابن رشد کی تینوں قسم کی شرحیں موجود ہیں۔ اس کے برعکس دوسری کتابوں کی طویل شرحیں نہیں ملتیں جیسے "علم الحیوان" وغیرہ۔ ابن رشد نے افلاطون کی "کتاب السیاسۃ" کی ایک شرح، الفارابی کی منطق،

ارسطو کی شرح کی تنقید، ابن سینا کے بعض نظریات پر بحث اور مہدی بن تومرت کی "کتاب العقیدہ" پر حاشیے بھی لکھے۔ انہوں نے فقہ، ہیئت اور طب پر بھی کئی کتابیں لکھیں۔ طب پر ان کی کوئی بیس کتابیں ہیں لیکن "کلیات فی الطب" نے ابن رشد کا علمی رتبہ بہت بلند کر دیا ہے، اس کتاب کا لاطینی ترجمہ ۱۲۵۵ء میں ایک یہودی تناقتہ نے کیا یہ کتاب ۱۱۶۲ء سے پہلے لکھی گئی۔ اس میں ابن رشد نے اپنے ذاتی تجربات اور مشاہدوں کی بنیاد پر بیماریوں کی تشخیص، علاج اور ان سے بچاؤ سمیت طب کے مختلف طریقوں پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب میں ابن سینا کی کتاب "القانون فی الطب" کے حوالے بھی ملتے ہیں۔ یہ کتاب لاطینی میں کولیجیٹ کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ دنیا کی پہلی کتاب ہے جس میں چیچک کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

دنیا بھر کے کتب خانوں میں موجود اصل اور تراجم کے ہاتھ سے لکھے ہوئے نسخوں کی تعداد ۸۷ بتائی جاتی ہے۔ جن میں سے اکتالیس اسکوریال میں محفوظ ہیں۔ ابن رشد کے عبرانی ترجمے اتنی تعداد میں چھپ چکے ہیں کہ بس انجیل کی تعداد اشاعت ان سے زیادہ ہے۔ ان عبرانی ترجموں کی تیرھویں اور چودھویں صدی عیسوی میں کئی ماہرین نے اسی طرح شرحیں لکھیں جس طرح انہوں نے ارسطو کی کتابوں کی لکھی تھیں۔ ابن رشد کا پہلا شاگرد مائیکل اسکاٹ تھا جس نے جرمنی کے بادشاہ کے دربار میں ان کی تصانیف پیش کیں۔ مائیکل اسکاٹ نے ہی موسیقی کے بارے میں ارسطو کی کتاب ڈی اینما پر تبصرے کا لاطینی ترجمہ کیا۔ اس نے جرمنی کے اہل علم و فن کو ابن رشد سے باقاعدہ متعارف کرایا۔ اٹلی کے شہنشاہ فریڈرک دوم نے ان کی کئی کتابوں کے ترجمے لاطینی میں کروائے۔ اٹلی کے دارالعلوم میں انہیں ارسطو سے بھی بلند مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔ وہاں کے ایک نامور شاعر نے بطلیموس، اقلیدس، جالینوس کے ساتھ ابن رشد کی بے حد تعریف کی۔ یورپ کے طلبہ ابن رشد پر فخر کرتے تھے۔ انگلستان میں ابن رشد کو دنیا کی عظیم شخصیات میں شمار کیا گیا۔ میلانو اور روم کی بعض پرانی خانقاہوں کی محرابوں میں شیشے کی چوکھٹوں پر ابن رشد کی تصویریں بنائی گئیں۔ یہ تصویریں آج بھی پوپ کے محل میں محفوظ ہیں۔ اہل مغرب انہیں اے وے روش دی گریٹ کہتے ہیں۔ بعض کتابوں میں ان کا نام ابن روس آیا ہے۔

ابن رشد کی کتابوں کے ترجمے کرنے والوں میں تناقتہ، یعقوب ملتینو، ابراہیم بالمز، یوفانی فرانسکو، نیفوس، یوتاس اور زیمارا، یعقوب بن ابا ماری، یہود ابن سلیمان، موسیٰ بن بتون، سموئیل بن بتون، شام بن طوب، قلونیموس وغیرہ شامل ہیں۔ ان کی کتابوں کے ترجمے لاطینی، انگریزی، جرمن اور عبرانی زبانوں میں ہوئے۔ اس کے باوجود یورپ میں سب سے زیادہ ابن رشد کی کتابوں کے ترجمے عبرانی میں فرانسیسی ماہر ارنسٹ رینان نے ۱۸۸۱ء میں ابن رشد اور ابن رشدیت کے عنوان سے شائع کیے۔

مشہور زمانہ انگریز تاریخ دان فلپ کے ہیٹی کے قول کے مطابق ابن رشد نے بارھویں صدی سے سولھویں صدی عیسوی تک یورپی فکر کو بہت متاثر کیا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ انہیں مشرق کے مقابلے میں اہل مغرب میں زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ جدید تجرباتی سائنس و ٹیکنالوجی کا دور شروع ہونے تک یورپ کی کئی یونیورسٹیوں میں ان کی کتابیں طلبہ کے نصاب میں پاپائے روم کے حکم کے مطابق شامل کی گئیں۔

———— o ————

بقیہ۔۔۔فاختہ لوٹ آئے گی

دادی اماں بھیگی آنکھوں سے اڑتی فاختہ دیکھتی رہیں۔ پھر فاختہ او جھل ہو گئی۔ وہ دونوں اوپر دیکھ رہی تھیں۔ کہ انہیں ہوا میں کاغذ کے ٹکڑے تیرتے نظر آئے۔ چند ٹکڑے قریب آ کر گرے۔ فاخرہ نے ایک ٹکڑا اٹھایا، پورا ایک صفحہ تھا۔ جس پر چند ہدایات لکھیں تھیں۔ فاخرہ صفحہ اٹھا کر دادی اماں کے پاس لا کر بولی۔ دادی اماں اس پر تو کچھ لکھا ہوا ہے۔

دادی اماں نے صفحہ پڑھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ جنگ بند ہو چکی ہے۔ جلد ہی امدادی کام شروع ہو جائے گیا۔ دادی اماں کو خاموش دیکھ فاخرہ بے صبری سے بولی۔ دادی اماں کیا لکھا ہے۔

لکھا ہے۔ فاختہ جلد ہی دوسرے پرندوں کو لے کر لوٹ آئے گی۔ اس کے بعد دادی اماں سے صبر نہ ہو سکا۔ انہوں نے فاخرہ کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور زور زور سے رونے لگیں۔ فاخرہ نے محبت سے اپنی دادی کو کھینچ کر اپنا سر ان کے کاندھے پر رکھ دیا۔

———— o ————

www.jawanadab.com
Kashif Bashir Kashif: 03336912300

دوست ذہنی آزمائش۔9

1) صحرائے کالاہاری کس براعظم میں واقع ہے۔؟
2) کلری جھیل، پاکستان کے کس صوبے میں ہے۔؟
3) مشہور مصنف ابن صفی کا اصل نام کیا تھا۔؟
4) موریہ خاندان کے پہلے حکمران کا نام بتائیں۔؟
5) قائداعظم نے پاکستان کے کس شہر کو سوئزرلینڈ قرار دیا تھا۔؟
6) جناح کیپ سب سے پہلے کس نے پہنی۔؟
7) دودھ اور شہد کی سرزمین کس ملک کو کہا جاتا ہے۔؟
8) اس واحد اسلامی ملک کا نام بتائیں جہاں کوئی دریا نہیں ہے۔؟
9) پاکستانی کرکٹ ٹیم نے بھارت کے خلاف پہلی کامیابی کس شہر میں حاصل کی تھی۔؟
10) ویسٹ انڈیز کے حالیہ دورہ میں کن چار پاکستانی کھلاڑیوں کو جھوٹے الزام میں گرفتار کیا گیا۔؟

دوست ذہنی آزمائش 8 کا صحیح حل

1) کرنل الٰہی بخش
2) قلات ڈویژن
3) صوبہ سندھ
4) یکم نومبر
5) سعودی عرب
6) گرین لینڈ
7) 1952
8) سرمئی
9) انتخاب عالم
10) جاوید میانداد

صحیح حل بھیجنے والوں کے نام

ایوب منظر لاہوری، کمالیہ۔ اظہر حسین، خانیوال۔ مظہر حسین چشتی، خانیوال۔ ضمیر جاوید خان، لاہور۔ زاہد شیرازی، بھکر۔ شاہد اقبال، کراچی۔ خرم شہزاد، بھکر۔ سمیرا اعوان، چکوال۔ اسما احمد زبیری، لاہور۔ انیق احمد، بھکر۔ اقرار حسین اعوان، چکوال۔ نبیل نادر شاہین، سیالکوٹ۔ محمد خالد حنیف، لاہور۔ انجم رضا، چکوال۔ رانا آصف، کامونکی۔ شکیل احمد، کامونکی۔ عنبرین گلزار علی، کراچی۔ محمد فیاض، لاہور۔ ناہید اختر، لاہور۔ محمد اعجاز پرنس، راولپنڈی۔ محمد عمران، لاہور۔ عمران صدیق، لالہ موسیٰ۔ رابیل اختر، لاہور۔ محمد کامران آصف، لاہور۔ محمد علی جواد، لاہور۔

ایک غلطی کا حل بھیجنے والے

محمد عرفان غوری، بھکر۔ پروین رضا، لاہور۔ چوہدری افتخار احمد، بھکر۔ صفیہ بی بی، بھکر۔ روبینہ شفیع، کامونکی۔ اختر منیر عقاب، مردان۔ محمد عامر شہزاد، لاہور۔ عبدالمجید نجمی، کنگن پور۔ عنیزہ نصیر، لاہور۔ پرنس سرفراز احمد، ملتان۔ فیصل مختار، ملتان۔ رزاق شاہد، فیصل آباد۔ محمد بلال حسنین، لاہور اور ہمایوں سعید، ملتان۔

دو غلطیوں کے حل والے دوست

ملک شاہد اختر اعوان، گجرات۔ فیاض اختر فیضی مردان۔ مبین احمد، بھکر۔ لطیفہ ابراہیم، کراچی۔ حنیف ابراہیم، کراچی۔ محمد اشرف گھانچی، کراچی۔ جاوید اقبال کنہوروی، حیدآباد۔ امان اللہ، عظمیٰ نورین، اوکاڑہ۔ خاور جاوید، بھکر۔ اسماعیل حمید، کراچی۔ نازیہ حسن، ملتان۔ ناصر حفیظ، ملتان، اویس قرنی، بھکر۔ ارم بیلا علی زئی، ڈی آئی خان۔

تاہم قرعہ اندازی کے ذریعے مبلغ ایک سو، مبلغ پچھتر روپے اور مبلغ پچاس روپے کے نقد انعامات بالترتیب
مظہر حسین چشتی، خانیوال۔
روبینہ شفیع، کامونکی شہر۔
محمد اشرف گھانچی، کراچی کو ارسال کیے جا رہے ہیں

www.jawanadab.com
Kashif Bashir Kashif: 03336912300

ہیرا کلیس کی پانچویں مشقت

اوگی یس کے اصطبل

ترجمہ و تالیف اشفاق سلیم مرزا

ایلیس کے شہر میں ایک شہزادہ رہتا تھا جس کا نام اوگی یس تھا۔ اسکے پاس ہزاروں کی تعداد میں گائے، بیل، بھیڑ اور بکریاں تھیں۔ جن اصطبلوں میں ان مویشیوں کو رکھا گیا تھا انہیں کبھی صاف نہیں کیا گیا تھا۔ ان اصطبلوں کی گندگی کی وجہ سے اوگی یس کا نام پورے یونان میں بدنام ہو گیا تھا۔

یورئیستھیس نے اب ہیرا کلیس کو حکم دیا کہ وہ ایلیس جا کر اوگی یس کے اصطبلوں کو صاف کرے۔

ہیرا کلیس فوراً روانہ ہو گیا۔ اس دفعہ نہ اسکا تیر کمان نہ ہی کوئی اور ہتھیار اسکے کسی کام کے تھے۔

دو دن کی مسافت کے بعد ہیرا کلیس ایلیس پہنچا اور اسے وہ وادی نظر آنا شروع ہو گئی جہاں اوگی یس رہتا تھا۔ ہری بھری چراہ گاہوں میں ہزاروں بیل چر رہے تھے۔ پہاڑی ڈھلوانوں پر بکریوں کے گلے تھے اور وادی میں دریائے پینیس چاندی کے تار کی طرح بہہ رہا تھا۔ اوگی یس کا گھر بلندی پر تھا اور اسکے نیچے بے شمار اصطبل ایک چھوٹے سے شہر کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔

ہیرا کلیس نے اپنا گانٹھوں والا ڈنڈا نیچے رکھا اور خود ایک چٹان پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ کیونکہ جو بھی کام اسے سونپا جاتا تھا وہ صرف یورئیستھیس کا حکم ہی نہ تھا بلکہ زیوس کا فرمان بھی تھا۔ کچھ دیر بعد اسکے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور وہ کھڑا ہو گیا۔ آس پاس کی زمین کا جائزہ لیتے ہوئے اس نے وادی کی ڈھلوان پر اترنا شروع کر دیا۔

جس وقت وہ اوگی یس کے گھر پہنچا تو بادل چھٹ چکے تھے اوگی یس کی داڑھی لمبی اور سفید تھی۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھا تھا اور وادی پر نظر جمائے ہوا تھا اور اسکے پاس دو جواں سال بیٹے کھڑے تھے۔

زیوس کے فرمان کے مطابق میں یہاں تمہارے اصطبل

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor, www.jawanadab.com)

ہوں ہیرا کلیس نے کہا۔ اوگی یس نے یہ سن کر جواب دیا۔

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی لیکن مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ کام انسان کے بس سے باہر ہے۔ سینکڑوں آدمی کئی ماہ تک مل کر ان اصطبلوں کو صاف کرتے رہے لیکن ان اصطبلوں کی حالت پہلے سے بھی بدتر ہے۔ ہیرا کلیس نے جواب دیا کوئی بات نہیں میں نے تو انہیں صاف کرنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور اگر میں نے انہیں صاف کر لیا تو اوگی یس تم مجھے کیا انعام دو گے۔ اوگی یس کہنے لگا میں اپنے مویشیوں اور بھیڑ بکریوں کا دسواں حصہ دے دوں گا۔

ہیرا کلیس نے کہا مجھے منظور ہے۔ اب اپنے چرواہوں سے کہو کہ وہ اصطبلوں کو مویشیوں سے بالکل خالی کر دیں اور وادی سے دور بلندی پر چراہ گاہوں پر لے جائیں۔ کیونکہ جب میں نے صفائی شروع کی تو زمین کانپنے لگے گی۔ پھر اس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ اس پر اوگی یس کے بیٹے فائی لی یس نے دوستی کا ہاتھ بڑھایا جسے ہیرا کلیس نے قبول کیا۔

اسکے بعد ہیرا کلیس نے ایک کلہاڑہ اور ایک بیلچہ لانے کو کہا۔ وہ فوراً مہیا کر دیئے گے۔ وہاں کافی ہل چل تھی اور ہر کوئی یہ دیکھنے کے لئے بے قرار تھا کہ ہیرا کلیس کب اصطبلوں کی طرف جاتا ہے۔ لیکن ہیرا کلیس نے وادی کا رخ کیا۔ اور اصطبلوں کی طرف نظر بھر کے بھی نہ دیکھا۔ وہ پہاڑیوں سے دور نیچے ڈھلوانوں پر دریائے پینیس کے کنارے تک پہنچ گیا۔ پھر وہ اس جگہ پہنچا جہاں دریا تنگ گھاٹی سے گزرتا تھا۔ اس نے اپنے کندھے سے شیر کی کھال اتاری اور کام پر جٹ گیا۔ پہلے اس نے ایک لمبا درخت کاٹا اور پھر اسکے بڑے بڑے ٹکڑے کئے۔ پھر اپنے بیلچہ سے ایک نالہ کھودا جسے ندی کی پرانی گزر گاہ میں ڈال دیا۔ وہ اتنی تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا کہ چٹانیں لڑھک رہی تھیں اور جلد ہی کام ختم ہو گیا اور دریا کی ایک نئی گزر گاہ تیار ہو گئی۔ پھر اس نے پوری طاقت کے ساتھ دریا میں لکڑی کے بڑے بڑے ٹکڑے پھینکنے شروع کئے۔ اور انکے اندر بڑے بڑے پتھر اور مٹی بھر دی اور جب یہ بند تیار ہو گیا تو خود چھلانگ لگا کر اسکے اوپر کھڑا ہو گیا تاکہ پانی کے ریلے کو روک سکے۔

دریا تیزی کے ساتھ آکر بند کے ساتھ ٹکراتا رہا۔ ہیرا کلیس نے اوپر دیکھا جہاں سے دریا رقص کرتی ہوئی چاندی کے بالوں والی جل پریوں کی طرح نیچے آرہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے اور چیخ کر بولا اے دریا پینیس مجھے معاف کر دینا۔ میں نے تمہارے ذمہ ایک بھاری کام لگایا ہے لیکن یہ سب کچھ میں زیوس کے فرمان کے مطابق کر رہا ہوں۔ ہم دونوں کی یہ مجبوری ہے۔ ایک دن کے لئے ایک نئی گزر گاہ میں بہو اور اپنی وادی کو صاف کر دو۔ اور شام کو دوبارہ تم پرانی گزر گاہ میں واپس آجاؤ گے۔ اور جب یہ کام ختم ہو جائے گا تو میں سونے کا پیالہ اور زیتون کی بنی ہوئی لکڑی کا ایک کپ تمہاری لہروں کی نظر کروں گا۔ دریا نے جب یہ الفاظ سنے تو اسکی تغیانی میں کچھ کمی ہوئی اور اس نے نئی گزر گاہ میں بہنا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ پتھر اور ریت بھی تیزی کے ساتھ بہہ رہے تھے۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ مویشی ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ دور ہیرا کلیس بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔ اسکے کاندھے پر شیر کی کھال تھی اور ہاتھوں میں گانٹھوں والا ڈنڈا تھا۔

شام کو شکرانا ادا کرنے اور نذر دینے کے بعد وہ دریا کی طرف دوبارہ آیا اور اسکا رخ پرانی گزر گاہ کی طرف موڑ دیا۔ اور یہ کام کرنے کے بعد وہ اوگی یس کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوا۔ وہ اسے اصطبلوں میں ملا جو بالکل صاف ستھرے تھے اور ان پر ریت اور مٹی کا نیا فرش بچھ چکا تھا۔ ہیرا کلیس نے کہا اوگی یس تمہارے اصطبل صاف ہو گئے ہیں اب میرا انعام دو۔ اوگی یس نے جواب دیا جاؤ دریا سے جا کر پوچھو کیونکہ میرے مویشیوں کے دسویں حصے کا حقدار وہ پانی ہے جس نے میرے اصطبل صاف کئے۔ میں تو تمہیں ایک بکری دینے کے لئے تیار نہیں کیونکہ سارا کام تو دریائے پینیس نے کیا ہے۔

جب ہیرا کلیس نے یہ جواب سنا تو وہ غصے سے لال ہو گیا اس پر فائی لی یس اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے میرے باپ یہ سراسر ناانصافی ہے اصطبل صاف ہو چکے ہیں۔ یہ سب کام ہیرا کلیس نے کیا ہے اب اسے وعدے کے مطابق انعام دو۔ لیکن اوگی یس اسکی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا اسے تو اپنے مویشیوں کی تعداد پر ناز تھا اور صفائی کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہ تھی۔ وہ بڑبڑاتا ہوا واپس مڑا اور باہر چلا گیا۔ ہیرا کلیس نے بلند آواز میں کہا آج کے بعد مجھ سے بچ کر رہنا۔ تم نے اپنے مویشیوں کا دسواں حصہ بچا لیا ہے لیکن تم مجھ سے بچ نہیں سکتے۔ کئی سالوں کے بعد ہیرا کلیس نے اوگی یس کے خلاف جنگ کی اور اسے قتل کر دیا اور اسکی جگہ اسکے بیٹے فائی لی یس کو تخت نشین کر دیا لیکن کہا جاتا ہے کہ فائی لی یس کبھی اپنے باپ کے تخت پر نہیں بیٹھا اور کہیں دور جا کر اس نے نیا شہر بسا لیا۔ ■

www.jawanadab.com
Kashif Bashir Kashif: 03336912300

ہونہار بیٹا

محمد علی چراغ

ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا آغاز تو گھر پر ہی ہو گیا تھا، لیکن پھر جب ان کی عمر چھ سال کی ہوئی تو ان کے لیے ایک استاد کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔ یہ استاد انہیں گھر آکر گجراتی پڑھاتے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ابتدائی عمر ہی میں اپنی مادری زبان کے علاوہ کوئی دوسری سیکھنا قدرے مشکل ہوتا ہے، اس لیے وہ اس دور میں گجراتی نہ سیکھ سکے۔ بلکہ ان کی رغبت دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود کی طرف زیادہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بھی دوسرے بچوں کی طرح گولیوں، ٹھیکریوں اور لٹوؤں سے کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ پھر جب ذرا اور بڑے ہوئے تو وہ گلی ڈنڈا اور کرکٹ بھی کھیلنے لگے۔

سات سال کی عمر میں پہلے انہیں ایک مدرسہ میں اور پھر پرائمری سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ لیکن اس بچے کا اس وقت سکول میں بھی جی نہ لگا۔ اس کا دل جلد ہی سکول کی تعلیم سے اچاٹ ہو گیا اور وہ بھی دیگر عام طالب علموں کی طرح کھلنڈرا سا ہو گیا۔ بچگانہ حرکتیں اسے اچھی لگتیں۔۔ اس ابتدائی صورتحال کے باوجود بھی اس بچے کی ماں کو اپنے بیٹے پر بڑا اعتماد تھا۔ ماں اکثر کہا کرتی تھی کہ میرا بیٹا ضرور لکھے پڑھے گا۔

ان کی والدہ اکثر گھر میں دوسرے بچوں سے کہا کرتی تھیں کہ "میرا لال ضرور ایک دن بڑا آدمی بنے گا۔ اسے بڑا آدمی بننے سے کوئی روک نہیں سکے گا۔ وہ اپنے ساتھیوں اور ہم عمروں میں سب سے زیادہ لائق ہو گا۔ وہ دوسروں سے بہت بہتر ہو گا۔ اور پڑھنے لکھنے میں بھی ضرور ہوشیار ہو گا۔"

اپنی انہی آرزؤں کی وادیوں میں سوچوں کے پھول کھلاتی ہوئی ماں اپنے لاڈلے کو کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر ہر روز سکول بھجوا ہی دیا کرتی تھیں۔ اس کے بعد جب بیٹا سکول سے پڑھ کر گھر واپس آتا تو پھر بھی ماں اپنے بیٹے پر پوری توجہ دیتیں اور کہتی رہتیں کہ وہ ضرور ایک بڑا آدمی بنے گا۔۔۔ ا
شاید ماں کی زندگی ہی میں وہ بڑا آدمی بن کر رہے۔

ان کا والد بڑا ہی بردبار اور متحمل مزاج شخص تھا۔ ایک حد تک ص
کرنے والا اور مایوسی سے دور رہنے والا تاجر تھا۔ اسی دور میں باپ اور بے
کے مابین ایک خوب صورت اور دلچسپ بات چیت ہوئی۔ اس مکالمے
یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ باپ اور بیٹے کے درمیان ایک طرح کی
تکلفی بھی تھی اور باپ اپنے بیٹے کے مستقبل کے لئے بجا طور پر فکر مند
تھا۔ باپ بیٹے کے اس مکالمے کو ان کی بہن نے لکھا ہے۔

بیٹا:۔ ابا جی (بڑے اعتماد کے ساتھ بولتے ہوئے) میں۔۔۔ میں سکول میں نہیں
پڑھنا چاہتا۔ سکول میں میرا جی نہیں لگتا۔

(بیٹے کے اس سوال اور بچپنے کی اس دلیل پر والد نے بڑے ہی تحمل
مظاہرہ کیا بلکہ بیٹے کو آزادانہ اور برملا موقع دیا کہ وہ جو کہنا چاہتا ہے، بلا تکلف کہہ
سکے)

باپ:۔ بیٹا جی، پھر تم پڑھنے کے بجائے کیا کرنا چاہتے ہو؟۔۔۔۔

بیٹا:۔ ابو جی، میں آپ کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر آپ کا کام یعنی تجارت سیکھ
چاہتا ہوں۔ میں آپ کے ساتھ کام کروں گا۔

باپ:۔ لیکن سنو تو سہی، تم تو ابھی اس کام کے لیے چھوٹے ہو۔ اس بچپن میں
تم کیا تجارت کر سکو گے، اور تجارت سے بھی کیا سیکھ سکو گے؟

بیٹا:۔ (بڑے اعتماد اور بھروسے کے ساتھ بولتا ہے) میرا خیال ہے، میں آپ
کے ساتھ دفتر میں بیٹھ کر آپ کے ساتھ ٹھیک رہوں گا، اور تجارت کی
باتیں بھی سیکھ سکوں گا۔۔۔

باپ:۔ بیٹا جی، تم اس سے تو اچھی طرح واقف ہو کہ میرے دفتر میں بڑا نظم و ضبط
ہے۔ اور میں خود بھی اس نظم و ضبط کی پابندی کرتا ہوں۔ اور اس مقصد
کے لیے تم جان لو کہ تمہیں ہر روز میرے ساتھ صبح آٹھ بجے دفتر جا
پڑے گا۔ پھر ہم دونوں دو بجے دوپہر کھانا کھانے گھر آیا کریں گے۔ پھر
تھوڑا آرام کر کے چار بجے سہ پہر ہم دوبارہ دفتر آیا کریں گے۔۔۔ اور
پھر رات نو بجے تک دفتر میں دوبارہ کام کیا کریں گے۔

بیٹا:۔ بالکل درست ہے ابا جی، میں یقیناً ان اوقات کی پابندی کرتا رہوں گا۔

باپ:۔ لیکن بیٹا جی، تم نے یہ نہیں دیکھا کہ تمہیں کھیلنے کودنے کے لیے تو

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor, www.jawanadab.com)

کوئی وقت ہی نہیں مل سکے گا۔

بیٹا:۔ (ایک طرح کی خوشی کے عالم میں بولا) مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔۔۔ میں نہیں کھیلا کروں گا۔

بتایا جاتا ہے کہ اس کے بعد بیٹے نے اپنے والد کے ساتھ ہر روز کام پر جانا شروع کر دیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باپ بیٹا دونوں اپنے کام کاج کے لیے باقاعدہ وقت کی پابندی کرتے رہے اور ہر طرح کا نظم و ضبط بھی برقرار رکھتے رہے۔ کام پر جانے کا یہ سلسلہ کوئی پچاس ساٹھ دن تک جاری رہا۔ لیکن اس دوران میں ایک بار پھر بیٹے کی طبعیت اس ہر روز کی پابندی سے اکتا گئی۔۔۔ اور ایک دن بیٹے نے اپنے والد کو یہ کہہ کر حیران کر دیا کہ "ابو جی، میں دفتری کام کاج پسند نہیں ہے۔ میرا اس کام کاج میں ہرگز جی نہیں لگ رہا۔"

بیٹے کے اس بچگانہ لیکن پر اعتماد جملے پر باپ نے ایک بار پھر بڑے تحمل کا ثبوت دیا۔ چونکہ باپ اپنے بیٹے کی تربیت بیٹے کے مزاج اور رجحان کے مطابق کرنا چاہتا تھا، اس لیے اب باپ نے بڑی توجہ کے ساتھ اپنے بیٹے سے پوچھا:۔

باپ:۔ بیٹا جی، پھر تم اب کیا کرو گے؟

بیٹا:۔ ابا جی، میں دوبارہ سکول میں جا کر پڑھوں گا۔

بیٹے کے یہ فیصلہ کن الفاظ سن کر باپ بے حد خوش ہوا، لیکن والد چونکہ جہاندیدہ تھا۔ وہ بچے کے جذبات کی قدر کرتا تھا، بچے کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے باپ نے بیٹے کو زندگی میں کام آنے والی چند ایک باتیں بتانے میں کسی طرح کی عار محسوس نہ کی۔ پھر والد نے بڑی ہی متانت کے ساتھ بتایا کہ:۔

باپ:۔ برخوردار۔۔۔ دیکھو۔ دنیا میں کچھ سیکھنے کے لیے کچھ قربانی دینا پڑتی ہے۔ اپنے آپ کو بالکل بدلنا پڑتا ہے۔ اور ہاں، یاد رکھو دنیا میں کچھ سیکھنے کے دو ہی راستے ہیں۔

بیٹا:۔ وہ کون سے راستے ہیں، ابا جی؟

باپ:۔ بیٹا جی، غور سے سن لو کہ وہ دو راستے یہ ہیں کہ۔۔۔ ایک یہ کہ اپنے بڑوں کی ذہانت اور دانائی پر بھروسہ کیا جائے، اور ان کے علم و دانش کو تسلیم کر لیا جائے۔ بڑوں کے تجربات کو غور سے سنا اور انہیں سمجھ جائے۔ اور بڑوں کی نصیحتوں کو مانا جائے اور پھر عین وہی کچھ کیا جائے جو وہ تجویز کریں۔

بیٹا:۔ اور دوسرا طریقہ اور راستہ کون سا ہے، ابا جی؟

باپ:۔ اور دوسرا راستہ اور ذریعہ یہ ہے کہ ہر عمل میں اور ہر کام میں خود ہی سے صلاح مشورہ کیا جائے اور پھر اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں سے تجربات حاصل کیے جائیں۔ شدید ٹھوکریں اور مصیبتیں برداشت کر کے زندگی گزارنا سیکھی جائے لیکن۔۔۔

بیٹا:۔ (بڑی بے چینی اور بے تابی کے ساتھ بولتا ہے۔۔۔ لیکن، کیا ابا جی!!)

باپ:۔ لیکن میرے بیٹے، یہ دوسرا راستہ اور طریقہ بڑا کٹھن ہے۔۔۔ اس میں مشکلات زیادہ ہوتی ہیں۔۔۔۔

بیٹا:۔ مجھے ان کی پرواہ نہیں ابو جی میں نے آپ کی نصیحت مان لی ہے۔ میں اب اپنی راہیں خود تلاش کروں گا۔۔۔ اور میں سکول پڑھنے جایا کروں گا۔۔۔

اپنے بچپن میں بیٹے نے اپنے والد محترم کی ان باتوں کو پوری توجہ کے ساتھ سنا، اور ان باتوں پر غور و خوض کیا۔۔۔ ان مکالمات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچپن ہی میں بڑے بے باک اور بے روک تھے۔ اپنے خیالات کا اظہار کرنے میں وہ ہرگز ہچکچاتے نہیں تھے۔ اور وہ اپنے ارادوں میں بھی پرعزم اور پکے تھے۔ بچپن کے اس واقعے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک اپنی راہیں خود تراشی ہیں۔ انہوں نے خود اپنے آپ ہی سے رہنمائی حاصل کی۔ انہوں نے اپنا مستقبل خود بنایا اور دوسروں کے لیے عمل، ارادے اور ہمت اور استقلال کی بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے تمام عمر اپنی بے پایاں قوت ارادی خود آگہی، وقار شخصیت اور عزم و ارادہ کے ساتھ عظیم الشان کامیابیاں حاصل کیں۔

بہر صورت بیٹے نے جب دوبارہ سکول جانا شروع کر دیا تو اس وقت ان کے استاد نے برملا کہہ دیا تھا۔

"محترم! آپ کے بیٹے نے دوبارہ سکول آنا تو شروع کر دیا ہے، لیکن میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ ریاضی میں اس کی کیفیت کوئی زیادہ تسلی بخش نہیں ہے۔"

بقیہ۔ صفحہ 36 پر

فرشتہ سیرت

رئیس احمد عرشی

اگر آپ کا مشاہدہ تیز اور فکر توانا ہے تو یقیناً آپ ان مناظر کے چشم دید گواہ ہوں گے کہ بظاہر انتہائی معصوم صورت شخص سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ پہلی ملاقات ہی میں آپ اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہر آتے جاتے شخص کے سامنے اس بھولے بھالے چہرے کی تعریف و توصیف کرنے لگے ایسے میں اچانک خبر ملی کہ وہ معصول شخص ایسی قبیح حرکات کا مرتکب ہوا جن پر یقین کرنے کے لئے آپ ہفتوں فکرات میں معلق رہے۔ تب کہیں جا کر آپ نے کانوں کو چھو کر لاحول ولا پڑھا۔۔۔

پھر آپ کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوئی کہ جس کا چہرہ حد درجہ مکروہ تھا۔ یہی نہیں معاشرے میں بھی اس کی برائیوں کا تذکرہ عام تھا۔ اچانک خبر آئی کہ اس نے نیکی اور انسان دوستی کا ایسا کارنامہ سرانجام دیا ہے کہ آپ کی شہادت کی انگلی بے ساختہ ہونٹوں پر آ کر جم گئی۔ اور آپ کے ہونٹ

ش ہونے سبحان اللہ۔۔۔ گویا کسی فرد کی شرافت اور رزالت کا اندازہ ظاہری شکل و صورت سے لگانا درست نہیں۔ یقین نہ آئے تو آیئے چند لمحوں کے لئے اردو بازار لاہور چلیں۔

ستمبر ۱۹۶۷ء کا واقعہ ہے تاریخ یاد نہیں مگر جمعہ کا دن تھا۔ وقت تھا سہ پہر کا۔ شیخ عبدالوحید جو ان دنوں اے جی آفس میانوالی میں خدمات کی انجام دہی پر مامور ہیں، میرے ہمراہ تھے۔ ہم ان دنوں محکمہ استحصال ملیریا (جواب محکمہ صحت میں ضم ہو چکا ہے) کے زیر اہتمام لاہور میں پیشہ وارانہ کورس کر رہے تھے۔ رہائش ہماری کرشن نگر میں تھی۔ مگر معمول یہ تھا کہ ہر سہ پہر کرشن نگر سے نکل کر سیکرٹریٹ کے سامنے کی سڑک سے ہوتے ہوئے پرانی انار کلی پہنچتے۔ پرانی انار کلی سے نئی انار کلی، وہاں سے اردو بازار کا رخ کرتے ہوئے ۔۔ دربار آن وارد ہوتے یہاں سے سنت نگر کے راستے کرشن نگر لوٹتے

اس روز جب ہم اردو بازار پہنچے تو ہماری نظر ایک وجیہ افغانی پر پڑی جس کے سامنے تین پنجرے پڑے تھے جن میں سرخ پروں والے طوطے مقید تھے۔ ایک طوطا "میاں مٹھو! چوری کھاؤ گے۔" کی رٹ لگاتا ایک پنجرے کے اوپر بیٹھا تھا۔ یہ طوطا کبھی کبھی مختلف پرندوں کی بولیوں کی نقل بھی اتارنے لگتا۔ جبھی تو یہاں مجمع لگ چکا تھا۔ شیخ عبدالوحید اور میرے قدم بھی تماشائیوں میں صف آرا ہوئے۔

اچانک ایک سوٹڈ بوٹڈ بابو مجمع کو چیرتا ہوا افغانی نوجوان کے مدمقابل آکھڑا ہوا۔ کالے کوٹ پتلون میں ملبوس اس آدمی کی عمر لگ بھگ چالیس پنتالیس سال ہو گی۔ نیلے رنگ کی چوڑی ٹائی اس کی گردن میں حمائل تھی۔ داڑھی مونچھ صاف۔ چہرے مہرے سے بظاہر اوباش دکھائی دیتا تھا۔ اس نے آتے ہی افغانی کو مخاطب کیا۔

"بھئی، ان پرندوں نے آپ کا کیا جرم کیا ہے۔ کہ آپ نے انہیں قید کر رکھا ہے؟"

پٹھان نے پنجرے کے اوپر بیٹھے طوطے سے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا۔

"جی مجبوری ہے پیٹ تو بھرنا ہے میں انہیں بیچ کر بیوی بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ مجھے یہ پیشہ بزرگوں سے وراثت میں ملا ہے۔ میں پہاڑوں اور درختوں کے کھکھلوں میں، خود کو خطرے میں ڈالتے ہوئے، طوطوں کے بچے نکال لاتا ہوں ان کی پرورش کرتا ہوں۔ جو بہت مشکل اور محنت طلب کام ہے۔ جب بچے فروخت کے قابل ہو جاتے ہیں تو انہیں شہر شہر بیچنے نکل کھڑا ہوتا ہوں۔" پٹھان کا لہجہ بے باکانہ تھا۔۔۔ "آپ کے بچے کتنے ہیں؟" نووارد آدمی نے پوچھا۔ "جی، دو۔" افغانی نے مختصر سا جواب دیا۔

"دیکھیئے بھائی، آپ مجھے دونوں بچے دے دیجئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں پہننے کو انتہائی اعلیٰ کپڑوں دوں گا۔ کھانے کو اچھی غذا دوں گا۔ اور انہیں اچھے سے اچھے تعلیمی اداروں میں پڑھاؤں گا۔ مگر بچوں پر حق تمہارا ہی رہے گا البتہ بچوں سے اس وقت تک آپ کو ملنے کی اجازت نہ ہو گی جب تک تحصیل علم سے فارغ نہیں ہو جاتے تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ بلا شرکت غیر بچوں کے مالک ہیں، میں انہیں تمہارے حوالے کر دوں گا آپ اس امر کا حلفیہ بیان بصورت اشٹام مجھ سے لکھوا سکتے ہیں۔" افغانی کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہوئے مگر وہ بولا۔

"بھلا کوئی اپنی اولاد کسی کو دے سکتا ہے۔ بچے تو آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہوتے ہیں۔"۔۔۔۔ جواب ملا۔ "تو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پرندے بے حس ہوتے ہیں جن کے بچے تم ان کے آشیانوں سے اٹھا لاتے ہو۔ بھئی، پرندے بھی ذی حس ہوتے ہیں وہ بھی اولاد کی جدائی میں تڑپتے ہیں ذرا چڑیا کے گھونسلے سے بچہ اٹھا کر دیکھو۔ یا کوے کے بچے کے قریب تو جاؤ۔ وہ کس طرح چیختے چلاتے ہیں اولاد تو اولاد ہی ہوتی ہے انسان کی ہو یا کسی اور جانور کی۔ میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ ان بیچاروں کو رہا کر دو۔ اللہ تعالیٰ بڑا کارساز اور سبب الاسباب ہے وہ آپ کو روزی کا ضرور کوئی نہ کوئی متبادل ذریعہ عطا کرے گا۔"

تیس پینتیس سالہ افغانی کچھ بھیجا تو سہی مگر طوطوں کی رہائی پر کسی طور آمادہ نہ ہوا بالاخر بابو نے اسے آخری بار مخاطب کیا، ہاتھ جیب میں ڈالتے ہوئے "سارے طوطے گن کر بتاؤ کل کتنی رقم بنتی ہے۔"

"جی چار روپے طوطا بیچ رہا ہوں آپ ساڑھے تین روپے فی طوطا لگا لیں کل ایک سو پینتیس طوطے ہیں آپ خود حساب کر لیں۔ بابو نے جیب سے 500/- روپے نکال کر افغانی کے ہاتھ پر رکھے اور اسے حکم دیا کہ پنجروں کے دروازے کھول دے۔ اور پھر ان آنکھوں نے جو منظر دیکھا بھلا اسے کیسے بھلایا جا سکتا ہے۔ دروازے کھلتے ہی "ٹیں ٹیں" کی آوازوں سے فضا گونج اٹھی اور طوطے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک ساتھ آسمان کی بلندیوں کی طرف دیوانہ وار اڑ گئے۔ حیرت زدہ بات یہ ہوئی کہ پنجرے کے اوپر بیٹھا طوطا بھی نیلگوں آسمان کی سمت اڑ گیا۔

پھر یہ بات بھی، باعث حیرت تھی کہ بابو نے طوطا فروش سے باقی رقم بھی واپس نہ لی حالانکہ طوطوں کی قیمت تو 477 روپے بنتی تھی۔ اس نے جاتے ہوئے افغانی کو مشورہ دیا کہ اس رقم سے کوئی باعزت کاروبار شروع کر دے۔ اور یہ رقم کوئی اور کاروبار شروع کرنے کے لئے اس دور میں کافی سرمایہ تھا اس لئے کہ ان دنوں کلرک کی تنخواہ 115 روپے ماہوار ہوا کرتی تھی۔

شیخ عبدالوحید اور میں دیر تک اس فرشتہ سیرت انسان کا خود سے موازنہ کرتے رہے وہ شخص بلاشبہ ہم سے درجات میں بہت بلند منصب پر تھا اگرچہ اس کا ظاہر ہمارے ظاہر سے کم تر درجے کا غماز تھا۔

——— o ———

سلامتی

محمد فاروق انجم

بادل رفتہ رفتہ آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے۔ چاند بھی بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا جس سے رات اور سیاہ ہو گئی تھی۔ ٹھنڈی اور تیز ہوا کے جھونکوں نے سردی کی شدت میں مزید اضافہ کر دیا تھا۔ آسمان پر کہیں کہیں بجلی بھی چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔

دور تک پھیلی ہوئی سڑک بالکل ویران پڑی ہوئی تھی سڑک کے دائیں بائیں درخت قطار میں کھڑے تھے سٹریٹ لائٹ سڑک پر کافی فاصلے سے نظر آتی تھی تیز ہوا کے باعث درختوں کی ٹہنیاں جھوم رہی تھیں۔

دور ایک کار رفتہ رفتہ آگے بڑھتی ہوئی آ رہی تھی۔ کار کی دونوں ہیڈ لائٹس روشن تھیں اور کار کی رفتار مناسب تھی۔ کار میں تین افراد سوار تھے۔ تینوں بھائی تھے بڑے بھائی جان جن کا نام اسلم تھا کار چلا رہے تھے ان کے ساتھ اگلی سیٹ پر امجد بیٹھا ہوا تھا جبکہ پچھلی سیٹ پر اعجاز براجمان تھا۔

بادلوں نے زور سے گرجنا شروع کر دیا تھا۔ کار چلاتے چلاتے اسلم نے اوپر دیکھ . . . پھر اپنے ہونٹ بھینچ لیے اور کار کی رفتار مزید تیز کر دی۔

. . . ے لہ شدید بارش ہو گی . . . اسلم بھائی بولے۔

یہ . . . کب ختم ہو گی۔ اعجاز بولا۔

یہ بہت لمبی سڑک ہے۔ اسلم بھائی نے کہا۔

"شیطان کی آنت کی طرح۔ امجد زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

کیا تمہاری آنت بہت لمبی ہے؟ اعجاز مذاقاً امجد کی طرف دیکھتے ہو
بولا۔

میں شیطان کی بات کر رہا ہوں۔

میں بھی شیطان کی ہی بات سمجھا ہوں

تم . . . امجد نے دانت پیسے اور کار میں اعجاز کے ساتھ ساتھ اسلم بھائی
بھی قہقہہ گونج اٹھا جبکہ امجد منہ دوسری طرف کر کے باہر دیکھنے لگا۔

بارش آہستہ آہستہ شدت اختیار کر گئی۔ . اور پھر اتنی زور سے بار
ہونے لگی کہ امجد کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے برستا ہوا پانی کار کا شیشہ ایک
دھماکے سے توڑ دے گا۔ بادل بھی زور سے گرجنے لگے تھے راستہ بھی سنسا
کہ اعجاز کے دل میں عجب وسوسے اٹھنے لگے۔

اسلم بھائی نے گیئر بدل کر ایکسلیریٹر پر اپنے پاؤں کا بوجھ بڑھا دیا
کار کی رفتار میں یکدم تیزی آگئی وہ جلد از جلد اس سنسان سڑک کو ختم کر
چاہتے تھے . . . اچانک کار نے جھٹکے لینے شروع کر دیئے اس کے ساتھ

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

بخود کار کی رفتار آہستہ ہو گئی۔۔۔اور پھر چند گز چلنے کے بعد کار بند ہو کر رک گئی۔

اسلم بھائی۔۔۔۔ نے کار کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی۔ کئی مرتبہ چابی گھمائی مگر بے سود کار اسٹارٹ ہونے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ تینوں کے چہروں پر پریشانی کے آثار نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے تھے۔

کیا ہوا بھائی جان؟ اعجاز کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔

لگتا ہے کہ کار میں کچھ خرابی ہو گئی ہے۔ اسلم بھائی کار کو ایک مرتبہ اور اسٹارٹ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے فکر مندی سے بولے۔

اف خدایا۔۔۔۔۔امجد نے سر ہلایا۔

کار کو اسی جگہ خراب ہونا تھا۔

گھبراؤ نہیں میں دیکھتا ہوں۔

آپ بارش میں باہر نکلیں گے؟

کار کو تو آخر چیک کرنا ہی ہے۔

مگر۔۔۔۔امجد نے کچھ کہنا چاہا۔

تم گھبراؤ نہیں میں دیکھتا ہوں۔ اسلم بھائی نے تسلی دی اور اپنی چمڑے کی جیکٹ کے کالر کھڑے کرتے ہوئے وہ کار سے باہر نکل آئے۔

شدید سردی اور برف کی طرح ٹھنڈے پانی نے اسلم بھائی کا استقبال کیا وہ تیزی سے آگے بڑھے اور کار کا بونٹ کھول کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے کار کا بونٹ اس انداز میں کھولا تھا کہ بارش انجن پر نہ پڑے یا کسی اور جگہ پانی نہ پہنچے جہاں کوئی خطرہ ہو۔ چمکتی ہوئی بجلی کی مدد سے اسلم بھائی نے ادھر ادھر تاروں کو ہاتھ لگا کر دیکھا مگر کوئی نقص نظر نہ آیا۔

اسلم بھائی واپس گاڑی میں آگئے، امجد نے ان کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"کچھ پتہ چلا بھائی جان؟"

نہیں۔۔۔اسلم بھائی نے نفی میں سر ہلایا۔

بھائی جان اب کیا ہو گا؟ امجد فکر مندی سے بولا۔

بارش بھی شدید ہے اور رات بھی۔ اعجاز بولا۔

لگتا ہے کہ اس سڑک سے گزرتا بھی کوئی نہیں ہے امجد دور تک شیشے سے دیکھتے ہوئے بولا۔

اسلم بھائی ایک مرتبہ پھر گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگے مگر ان کی یہ کوشش بھی ناکام گئی اور وہ کچھ سوچنے لگے بارش میں کمی آنے کی بجائے لمحہ بہ لمحہ شدت آتی جارہی تھی بادل اور بجلی بھی زور سے گرجنے لگے۔

بھائی جان۔۔۔۔اعجاز بولا۔

ہاں کہو۔۔۔اسلم بھائی بولے۔

ہم گاڑی کو دھکا لگائیں ہو سکتا ہے کہ اسٹارٹ ہو جائے۔ اعجاز نے تجویز پیش کی۔

ہاں یہ ٹھیک ہے۔ امجد کی آنکھوں میں امید کی ایک چمک ابھری۔

اس سے کچھ نہیں ہو گا

کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے بھائی جان۔

مجھے کوئی بڑا نقص لگتا ہے اور پھر تم دونوں دھکا لگا بھی نہیں سکتے۔

تو کیا اس طوفان رات میں ایسے ہی بیٹھے رہیں گے؟

خدا سے دعا کرو کہ وہ ہماری مشکل حل کر دے مصیبت کے وقت خدا تعالیٰ سے ہی مدد مانگنی چاہیے وہ ضرور سنتا ہے۔ اسلم بھائی متانت سے بولے۔

مجھے تو ڈر لگ رہا ہے بھائی جان۔ امجد کا لہجہ خوفزدہ تھا۔

مصیبت کے وقت ہاتھ پیر چھوڑ دینا ایسے ہی ہے جیسے دشمن کے سامنے اپنے آپ کو بے بس کر لینا کہ کر لو جو کرنا ہے مجھ سے تو نہیں ہو گا۔ اسلم بھائی بولے۔ آفت کے وقت گھبرانا نہیں چاہیے گھبرانے سے تم مصیبت کا مقابلہ نہیں کر سکو گے خدا کا نام لے کر مصیبت کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

اچانک اسلم بھائی کی نظر سامنے پڑی، سامنے سے کوئی گاڑی اس طرف آرہی تھی اسلم بھائی نے سوچا کہ وہ اس گاڑی والے سے کچھ مدد حاصل کرے اسی خیال سے انہوں نے اپنا ہاتھ باہر نکالا اور اشارہ کرنے لگے آنے والی گاڑی کی رفتار آہستہ ہو گئی اور پھر ان کے برابر رک گئی۔

میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر درمیانے قد کا مالک بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بہترین سوٹ زیب تن کر رکھا تھا شکل سے پڑھا لکھا اور معزز لگتا تھا اس کی عمر چالیس سے اوپر ہی ہو گی۔

ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔

اوہ۔۔۔۔۔

یہاں نزدیک کوئی ورکشاپ ہے کیا؟

ہاں

کہاں؟

آپ کو تقریباً ڈیڑھ میل پیچھے جانا ہوگا۔ وہ بولا اسی روڈ پر ایک ورکشاپ ہے اس ورکشاپ کا میں مالک ہوں۔

اسلم بھائی کو اچانک یاد آیا کہ انہوں نے پیچھے سڑک کے دائیں جانب ایک ورکشاپ دیکھی تھی۔ بہت سی پرانی گاڑیاں وہاں کھڑی نظر آرہی تھیں۔

وہاں تک گاڑی کیسے جائے گی بھائی جان۔۔۔ امجد نے پوچھا۔

یہ مسئلہ تو ہے۔

اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات عرض کروں۔ وہ بولا۔

جی۔۔۔ ضرور۔ اسلم بھائی فوراً بولے۔

آپ میری گاڑی میں آجائیں وہاں سے میں اپنے آدمی بھیج دوں گا وہ اسے دوسری گاڑی کے ساتھ باندھ کر لے آئیں گے۔ اسلم بھائی کو تذبذب میں دیکھ کر وہ آدمی پھر بولا۔۔۔ میرا نام رضوی ہے اور مجھ پر اعتماد کیجئے اگر ایسا نہیں تو میں وہاں سے آدمی بھیج دیتا ہوں ان کے ساتھ ہی آجانا۔

ہمیں آپ پر بداعتمادی نہیں ہے۔ اسلم بھائی بولے۔ لیکن یہ ویران جگہ ہے اکیلی گاڑی کو چھوڑ کر جانا نامناسب سا لگتا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ براہ مہربانی جلدی اپنے آدمی بھیج دیں ہم ان کے ساتھ ہی آجائیں گے۔ ہم یہاں انتظار کرتے ہیں۔

جیسے آپ مناسب خیال کریں۔ رضوی مسکراتے ہوئے بولا اور انہیں انتظار کرنے کا کہہ کر وہاں سے چل پڑا۔ بارش لگتا تھا کہ ابھی تھمنے کے موڈ میں نہیں ہے۔ تینوں کار کے اندر چپ چاپ بیٹھے رہے کہ اچانک اعجاز نے خاموشی کا طلسم توڑا۔

بھائی جان۔۔۔ یہ آدمی آپ کو قابل بھروسہ لگتا ہے؟

ہاں۔۔۔ مجھے یہ شریف آدمی لگتا ہے میرا خیال ہے کہ اب ہمیں گھبرانے یا ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اسلم بھائی پراعتماد لہجے میں بولے گاڑی تو انہیں بہرحال ٹھیک کرانی ہی تھی اگر وہ خواہ مخواہ ڈرتے رہتے اور اس کی بات پر اعتماد نہ کرتے تو پھر ساری رات اس ویران جگہ پر بسر کرنا ازحد مشکل تھا۔ اسلم بھائی کو وہ آدمی شریف ہی لگا تھا اس کا لہجہ اتنا نفیس تھا کہ ذہن کسی اور طرف جاتا ہی نہیں تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ایک کار ان کے قریب آکر رکی اور اندر سے ایک نوجوان تیزی سے نکل کر ان کی طرف بڑھا اس نے پرانے سے کپڑے پہنے ہوئے تھے جس پر جگہ جگہ کالک لگی ہوئی تھی۔

مجھے رضوی صاحب نے بھیجا ہے۔

براہ مہربانی گاڑی دیکھ لیجئے ہمیں کافی دور جانا ہے۔ اسلم بھائی بولے اسی اثناء میں کار سے ایک اور نوجوان ہاتھ میں چھتری پکڑے باہر نکل آیا کپڑوں سے وہ بھی کاریگر ہی لگتا تھا اس کے دوسرے ہاتھ میں دو اوزار پکڑے ہوئے تھے۔

بونٹ کھول کر دونوں اس پر جھک گئے۔ اسلم بھائی بھی باہر نکل کر دیکھنے لگے۔ دس منٹ تک ادھر ادھر ہاتھ اور نظر پھیرنے کے بعد وہ نوجوان بولا۔

اسے ورکشاپ لے جانا ہوگا

کوئی لمبا کام ہے؟

نہیں۔ صرف آدھے گھنٹے کا کام ہے ایک تار شارٹ کر گئی ہے اور یہ کام ورکشاپ میں ہی ہوگا۔

تو پھر جلدی کیجئے۔

اقبال۔۔۔ رسہ لاؤ اور دونوں گاڑیوں کے آگے پیچھے باندھ دو۔ نوجوان نے اپنے ساتھی کو حکم دیا وہ کار سے موٹا رسہ لے آیا جس کا ایک سرا اسلم بھائی کی کار کے آگے اور دوسرا اپنی گاڑی کے پیچھے مضبوطی سے باندھ دیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ کار کو کھینچتے ہوئے ورکشاپ کی طرف چل پڑے۔

ورکشاپ بہت بڑی تھی۔ وہاں کاریں ہی کاریں کھڑی تھیں وہ سب خراب لگتی تھیں سبھی کاریگر آج کا کام کر کے اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے ان دو کاریگروں کے علاوہ وہاں تین کاریگر اور ایک طرف بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جبکہ ایک پندرہ سالہ بچہ وہ بھی کاریگر ہی لگتا تھا ان سے الگ تھلگ ایک کار کی ڈکی پر نیم دراز بارش کا نظارہ کر رہا تھا

جس وقت اسلم بھائی۔۔۔ اعجاز۔۔۔ اور امجد اپنی کار سے باہر نکلے تھے تو اس بچے نے تینوں کی طرف عجب نظروں سے باری باری دیکھا تھا جسے اعجاز نے فوراً محسوس کیا تھا۔

وہ دونوں نوجوان اور بچہ جس کا نام چھوٹا تھا شاید کیونکہ دونوں نوجوان اسے چھوٹا چھوٹا کہہ کر پکار رہے تھے، کار کا بونٹ کھول کر اس پر جھک گئے

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor: www.jawahadeb.com)

تب بھی چھوٹے نے کنکھیوں سے تینوں کی طرف عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

خوش آمدید۔۔۔ اوپر بنے ہوئے دفتر سے رضوی نکل کر مسکراتے ہوئے بولا۔

اسلام علیکم۔۔۔۔ اسلم بھائی اوپر دیکھ کر بولے۔

جب تک آپ کی گاڑی ٹھیک ہوتی ہے آپ دفتر میں آکر بیٹھ جائیں۔ رضوی نے پیش کش کی۔

شکریہ۔۔۔۔ اسلم بھائی دونوں کو ساتھ لیتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف بڑھے۔۔۔ دفتر بہت خوبصورت تھا، انتہائی نفیس فرنیچر اور قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ رضوی کے اشارے پر تینوں ایک طرف بیٹھ گئے۔

کیا پیئں گے۔۔؟ رضوی نے پوچھا

شکریہ۔۔۔ کچھ نہیں چاہیے۔

بلا تکلف؟

بس آپ گاڑی ٹھیک کر دیں

وہ تو ہو جائے گی۔۔۔ میں آپ تینوں کے لئے کافی منگواتا ہوں۔ رضوی نے کہا اور بیل دی تھوڑی دیر بعد وہی چھوٹا کمرے میں داخل ہوا۔

چار کافی۔۔۔۔ فوراً رضوی کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

چھوٹا حکم سنتے ہی واپس پلٹ گیا۔ اعجاز نے محسوس کیا تھا کہ چھوٹا کسی الجھن میں گرفتار ہے اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ الجھا ہوا ہے۔ اعجاز کمرے کا ادھر سے ادھر تک جائزہ لیتا ہوا چھوٹے کے بارے میں سوچنے لگا اس کا دل کہہ رہا تھا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔

ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ کہ اسی اثنار میں وہ نوجوان جوان کی گاڑی لینے آیا تھا کمرے میں داخل ہوا اور اطلاع دی کہ

کرامت صاحب آئے ہیں۔

کہاں ہیں وہ؟

گیسٹ روم میں۔

چلو۔۔۔ ابھی آرہا ہوں۔ رضوی صاحب بے چینی کی سی کیفیت میں بولے اور اپنا کوٹ اور ٹائی درست کرنے کے بعد معذرت خواہانہ لہجے میں بولے۔ معافی چاہتا ہوں۔۔۔ دراصل کرامت صاحب بہت دور سے آئے ہیں ضروری کام ہے لہذا آپ تشریف رکھیں جب تک گاڑی ٹھیک ہوتی ہے اور کافی پی کر جائیے گا۔ اس کے بعد وہ کمرے سے باہر نکل گئے۔ اعجاز نے فوراً کھڑکی سے پردہ اٹھا کر دیکھا نیچے کوئی نظر نہیں آرہا تھا ان کی کار کا بونٹ بھی بند تھا۔

کیا دیکھ رہے ہو۔ امجد نے پوچھا۔

کچھ نہیں اعجاز اپنی نشست پر دوبارہ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد چھوٹا کافی لے کر آگیا۔ وہ گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا کافی ایک طرف رکھ کر ادھر ادھر دیکھا اور اسلم بھائی کے قریب آکر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

آپ کی گاڑی ٹھیک ہو گئی ہے۔ یہ کافی مت پیجئے گا اس میں بے ہوشی کی دوا ہے بے ہوش کر کے یہ آپ کو لوٹ لیں گے۔ آپ فوراً یہاں سے بھاگ جائیں اس وقت سبھی گیسٹ روم میں ہیں۔

چھوٹے کی بات سنتے ہی تینوں چونک پڑے۔ اسلم بھائی بولے۔

تم ہمدردی کیوں۔۔۔۔۔؟

مجھے یہاں کام کرتے تین مہینے ہو گئے ہیں مگر ان کی حقیقت کل رات کھلی کہ یہ رات کو آنے والے گاہک کو ہوشیاری سے لوٹ لیتے ہیں کہ ثبوت بھی نہیں چھوڑتے

وہ کیسے۔۔۔؟

پہلے لوٹ لیتے ہیں پھر اس کی گاڑی میں اسے کسی ویران جگہ پر چھوڑ آتے ہیں۔ آپ بھاگ جائیں۔

تینوں فوراً اٹھے اور آہستہ سے دروازہ کھول کر نیچے دیکھا، نیچے کوئی نہیں تھا۔ چھوٹا جلدی سے نیچے اتر کر ایک طرف کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں جانے سے پہلے اس نے مخصوص اشارہ کر دیا تھا کہ راستہ صاف ہے وہ تیزی سے اترے اور مستعدی سے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اسلم بھائی کار اسٹارٹ کرنے لگے اسی اثنار میں ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان چیخا

اے۔۔۔۔ رکو۔

اسلم بھائی نے گاڑی اسٹارٹ کی اور پوری رفتار سے دوڑا کر ورکشاپ سے دور لے گئے۔

بقیہ۔ صفحہ 36 پر

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

دوستی

محمد ادریس قریشی

سکول میں جوں ہی تفریح کی گھنٹی بجی، لڑکے ایک دم کلاسوں سے باہر نکلنے لگے۔ کچھ لڑکے سکول کے باہر کھڑے خوانچہ فروشوں اور ریڑی والوں کے اردگرد جمع ہو گئے، اور کچھ لڑکے سکول کی کینٹین میں جا گھسے۔ سلیم بھی جلدی سے کینٹین کی طرف جانے لگا۔ اچانک اسے ایک آواز سنائی دی "ہیلو دوست۔ ذرا ٹھہرنا۔"

سلیم نے چونک کر پیچھے دیکھا، اسی کی عمر کا ایک لڑکا کھڑا تھا۔ وہ شاہد تھا، جو آج ہی ان کی کلاس میں داخل ہوا تھا۔ سلیم نے کہا "ہاں بھئی شاہد، کیا بات ہے؟"

شاہد نے مسکرا کر کہا "کوئی بات نہیں۔ آؤ کینٹین میں چلیں۔"

دونوں ایک ساتھ اندر داخل ہو گئے، اور کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ سلیم نے دو کپ چائے اور بسکٹوں کا آرڈر دے دیا۔ چائے پیتے ہوئے سلیم نے پوچھا "دوست، تمہارا گھر کہاں ہے؟"

شاہد نے کہا "میرا گھر گاؤں راجہ پور میں ہے۔ اس لیے میں یہاں ہاسٹل میں رہوں گا۔ آج ہی میں نے ہاسٹل انچارج صاحب کو درخواست دے دی ہے، اور کل میں اپنی چارپائی اور بستر لے آؤں گا۔"

سلیم نے خوش ہو کر کہا "واہ! پھر تو ہمارا خوب ساتھ رہے گا۔ میں بھی ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ کیوں کہ میرا گھر بھی یہاں سے بہت دور ہے۔"

ان ہی باتوں کے دوران چائے ختم ہو گئی۔ وہ دونوں اٹھے اور کاؤنٹر کی طرف بڑھے۔ سلیم نے چائے کے پیسے دیئے، لیکن شاہد نے پیسے دینے کی کوشش بھی نہیں کی۔ سلیم نے سوچا، عجیب لڑکا ہے، کم از کم اسے چائے کے پیسے دینے پر اصرار تو کرنا چاہیے تھا۔

دونوں کینٹن سے باہر آئے، اور تھوڑی دیر بعد سکول کی گھنٹی بجتے ہی اپنی کلاس میں چلے گئے۔

اگلے دن شاہد گاؤں سے چارپائی اور بستر لے آیا۔ اس سکول کے ہاسٹل

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor: www.jawanadab.com)

کا انتظام بہتر نہیں تھا۔ ایک بڑا سا ہال تھا۔ اسی میں سب لڑکے رہتے تھے، جن کی تعداد بیس کے قریب تھی۔ ہاسٹل میں میس کا انتظام بھی نہیں تھا۔ اس لئے سب لڑکوں نے اپنے پیسوں سے ہی مٹی کے تیل کا چولہا اور کھانے کے برتن خرید لئے تھے۔ وہ خود ہی اپنا کھانا تیار کرتے تھے۔ سلیم اور شاہد سمیت ہاسٹل میں رہنے والے تمام لڑکے نویں اور دسویں کلاسوں میں پڑھتے تھے۔ ان کے گاؤں اور دیہاتوں میں مڈل سکول تھے، اور اب انہیں شہر کے سکول میں آنا پڑا تھا۔ سلیم اور شاہد میں گہری دوستی تھی، لیکن سلیم کو شاہد کی ایک بات پسند نہیں تھی۔ وہ یہ کہ اکثر اوقات دونوں کینٹین میں چائے پیتے، ریڑی سے چاٹ اور گول گپے کھاتے، ہر بار پیسے سلیم ہی دیتا۔ شاہد نے کبھی پیسے دینے کی کوشش نہیں کی۔ سلیم اب اسے ایک مفت خورا سمجھنے لگا تھا۔

ایک دن تو حد ہی ہو گئی۔ سکول میں ماسٹر صاحب نے سب لڑکوں کو ایک کتاب خرید کر لانے کو کہا۔ چھٹی کے بعد لڑکے ہاسٹل میں آئے اور دوپہر کا کھانا تیار کرنے لگے۔ وہ سالن خود پکاتے تھے اور روٹیاں ایک تنور سے لے آتے تھے۔ کھانے کے فوراً بعد سلیم ہاسٹل سے باہر جانے لگا تو اسے شاہد کی آواز سائی دی "سلیم کہاں جا رہے ہو؟"

سلیم نے جواب دیا "کتاب لینے جا رہا ہوں۔"

شاید نے کہا "دو کتابیں لے آنا، ایک میرے لیے۔"

سلیم چند لمحے رکا، تاکہ شاہد اسے کتاب کے لیے پیسے دے، لیکن شاہد نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ سلیم کو اپنے پاس سے دو کتابیں خرید کر لانا پڑیں۔ شاہد نے کتاب لے لی، مگر پیسے دینے کی بالکل کوشش نہ کی۔ اب سلیم نے فیصلہ کیا، کہ وہ شاہد سے میل جول ختم کر دے گا۔ ایسے مفت خورے دوست کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ وہ ہر جمعرات کی شام اپنے گھر جاتا تھا، اور ہفتے کی صبح واپس سکول آتا تھا۔ اسے گھر سے سو روپے خرچ ملتا تھا۔ اس دفعہ شاہد کی وجہ سے اس کے ہفتے کا سارا بجٹ خراب ہو گیا تھا۔

رات کے وقت سلیم اپنی چارپائی پر بیٹھا کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ شاہد کی چارپائی اس کے ساتھ ہی تھی۔ اس نے کہا "سلیم بھائی، کون سا سبق پڑھ رہے ہو؟"

سلیم نے کوئی جواب نہ دیا، اور خاموشی سے پڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد عشاء کی نماز کا وقت ہو گیا۔ مسجد ساتھ ہی تھی۔ سلیم نے کتاب رکھی، اور ٹوپی سر پر لے کر باہر جانے لگا۔ اسی وقت شاہد نے کہا "ٹھہرو سلیم، میں بھی آ رہا ہوں۔"

سلیم نے اس کی بات کی پروانہ کی اور ایک جھٹکے سے باہر نکل گیا۔ اگلے دن سکول میں سلیم نے شاہد سے کوئی بات نہ کی۔ شاہد نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا۔ اس نے کہا۔ "سلیم بھائی، کیا بات ہے۔ تم میرے ساتھ بول نہیں رہے ہو کیا ناراض ہو؟"

سلیم نے کہا "ہاں، ناراض ہوں، میں چاہتا ہوں کہ ہم ایک دوسرے سے دوستی نہ رکھیں۔"

"لیکن اسکی وجہ کیا ہے؟ میں نے تو تمہیں کچھ بھی نہیں کہا۔" شاہد نے بے چارگی سے کہا، مگر سلیم نے منہ پھیر لیا۔ اسی وقت ان کے ماسٹر صاحب کلاس میں داخل ہوئے، اور بولے "شاہد تمہیں پوسٹ مین بلا رہا ہے۔"

شاہد فوراً اٹھ کھڑا ہوا، اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ باہر پوسٹ مین کھڑا تھا۔ شاہد اور پوسٹ مین برآمدے میں ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد شاہد خوشی خوشی اندر داخل ہوا، اور پوسٹ مین سکول سے باہر جاتا نظر آیا۔ سلیم نے سوچا، "شاہد کا کوئی خط آیا ہو گا، خیر مجھے کیا۔"

اس کے بعد سارا دن اس کے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوئی۔ اسی رات تقریباً آٹھ بجے سب لڑکے سونے کے لئے لیٹ گئے۔ سلیم کو نہ جانے کیوں بہت سردی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس نے لحاف اوپر لے لیا اور سونے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے آنکھوں سے آگ سی نکلتی محسوس ہونے لگی۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "لگتا ہے، مجھے بخار ہونے والا ہے۔"

آدھی رات کے وقت اسے بخار بہت تیز ہو گیا۔ سر میں بھی شدید درد تھا۔ اس کے منہ سے ہائے ہائے کی آوازیں نکلنے لگیں۔ شاہد فوراً اٹھ بیٹھا، اور بولا "سلیم بھائی کیا بات ہے؟"

سلیم بدستور کراہتا رہا۔ شاہد جلدی سے چارپائی سے اترا، اور ٹٹول کر دیوار کی طرف بڑھنے لگا اس نے سوئچ بورڈ تلاش کیا اور بلب جلا دیا۔ پھر وہ سلیم کی چارپائی کے پاس آیا، اور بولا "سلیم بھائی، کیا ہوا؟"

سلیم نے آہستہ سے کہا "مم۔۔۔۔ مجھے بخار ہے۔ اور سر میں بہت درد ہے۔"

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

شاہد نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا، اور پھر چونک کر بولا "ارے تمہیں تو سخت بخار ہے۔"

ہاسٹل کے دوسرے لڑکے بھی جاگ گئے، مگر وہ اپنے بستروں سے نہ اٹھے۔ ایک لڑکے نے دور ہی سے کہا "کیا بات ہے؟"

شاہد نے جواب دیا "سلیم کی حالت خراب ہے۔"

لڑکے نے بے پروائی سے لحاف اوپر لیا، اور سو گیا۔ اسی طرح ایک دو لڑکوں نے اپنی چارپائی پر لیٹے لیٹے ہی پوچھا، کہ کیا ہوا، مگر بدستور پڑے رہے شاہد نے کہا "سلیم بھائی، میں آپ کے لئے چائے بناتا ہوں، میرے پاس بخار کی ایک گولی بھی ہے، وہ تم کھا لینا۔" یہ کہہ کر اس نے چولہا جلایا، اور چائے بنانے لگا۔ پھر اس نے سلیم کو کلی کرائی اور گولی کے ساتھ چائے دی۔ گولی کھا کر سلیم لیٹ گیا۔ شاہد نے لحاف اس پر اچھی طرح سے دے دیا۔ سلیم کی حالت ذرا سنبھل گئی تھی۔ اس نے کہا "شاہد، تم سو جاؤ۔ تمہارا بہت شکریہ۔"

"بھائی، شکریہ کیسا۔ یہ تو میرا فرض ہے۔ اللہ نے چاہا تو تمہارا بخار اتر جائے گا۔" شاہد نے کہا، اور بلب بجھا کر خود بھی اپنی چارپائی پر چلا گیا۔ صبح سب لڑکے اٹھے، اور ناشتہ تیار کرنے لگے۔ سلیم بے سدھ لیٹا رہا۔ وہ ابھی تک بخار سے تپ رہا تھا۔ لڑکوں نے اسے ہلایا جلایا، اور ناشتہ کرنے کو کہا۔ شاہد نے کہا "سلیم کا بخار ابھی تک نہیں اترا۔ اسے ہسپتال لے جانا ہو گا۔"

سب لڑکوں نے ناشتا کیا، اور سکول جانے لگے۔ شاہد نے سلیم سے کہا "سلیم بھائی آج میں بھی سکول سے چھٹی کروں گا، اور تمہیں ہسپتال لے جاؤں گا۔"

تھوڑی دیر بعد وہ ایک تانگہ لے آیا، اور سلیم کو اس میں بٹھا کر ہسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے چیک کیا، اور نسخہ لکھ دیا۔ ہسپتال کے سامنے ایک میڈیکل سٹور سے شاہد دوا اور دلیئے کا ڈبہ خرید لایا۔ پھر وہ تانگے میں ہی واپس ہاسٹل آئے۔ تانگے کا کرایہ اور دوا کے پیسے شاہد نے اپنے پاس سے دیئے تھے۔ پھر اس نے سلیم کے لیے دلیہ پکایا، اور اسے دوا کھلائی۔ سلیم سوچ رہا تھا کہ ہاسٹل کے دوسرے لڑکوں نے تو اس کی بیماری کی پروا بھی نہیں کی ہے لیکن شاہد نے تو دوستی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے شاہد کے ساتھ بول چال بند کر کے اچھا نہیں کیا تھا۔ شام تک سلیم کا بخار اتر گیا۔ اگلی صبح اس نے کہا۔ "شاہد بھائی، میرے علاج پر تمہارے جو پیسے خرچ ہوئے ہیں، مجھ سے لے لو۔" یہ کہہ کر اس نے پیسے اپنی جیب میں سے نکالے۔

شاہد جلدی سے بولا "سلیم، تم میرے بھائی ہو۔ میں پیسے نہیں لوں گا۔"

سلیم کے بہت اصرار پر بھی اس نے پیسے نہ لئے، اور کہنے لگا۔ "سلیم بھائی، میرے ابا جان ایک دفتر میں ملازم ہیں۔ انہیں پچھلے ماہ تنخواہ نہیں ملی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ دو ہفتے میں نے بالکل خالی جیب گزارے۔ اللہ کا شکر ہے، کہ کل ابا نے منی آرڈر سے تین سو روپے بھیج دیئے تھے۔ انہیں دو ماہ کی تنخواہ مل گئی ہے۔ اب میرے پاس پیسوں کی کمی نہیں ہو گی۔"

سلیم نے کہا "مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے شاہد بھائی، آؤ سکول کا وقت ہو گیا ہے۔"

وہ دونوں کتابیں اٹھائے، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، مسکراتے چہروں کے ساتھ کلاس روم کی طرف جا رہے تھے۔

—— o ——

انعامی کہانی۔4

ماہ اپریل 1993ء کی انعامی کہانی بعنوان "اگر میں کسی محکمے کا/ کی سربراہ ہوتا/ ہوتی" کے لیے 31 مارچ تک ہمیں درج ذیل دوستوں نے اپنی کہانیاں ارسال کیں۔

محمد یونس مدنی، فیصل آباد۔ سائرہ عبدالرحمن، سرگودھا۔ اشفاق احمد لاڑکانہ۔ خرم طارق، گوجرانوالہ۔ سیدہ سائرہ کہکشاں، گجرات۔ پرنس شہزاد رضا فیصل آباد۔ عمران سہیل بوبی، اوکاڑہ۔ طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ۔ ہمایوں مجاہد تارڑ، کھسوڑہ۔ فریحہ ابتسام راؤ، لاہور۔ اور محمد عاقل احمد خان، سکھر۔

تاہم مصنفین کی رائے کے مطابق لاہور کی فریحہ ابتسام راؤ کی کہانی کو اول انعام کا حقدار ٹھہراتے ہوئے ایک سال کے لیے دوست کا اعزازی پرچہ ارسال کیا جا رہا ہے۔

آئندہ کہانی کا عنوان ہے **"رسی جل گئی پر بل نہ گیا"** یہ کہانی ہمیں 31 مئی 1993ء تک موصول ہو جانی چاہیے، تاخیر سے ملنے والی تحریر مقابلے میں شامل نہیں ہو گی۔

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor, www.jawanadab.com)

خواب

سلیم فاروقی

چھوٹو میاں نے دیکھا خواب
آپ بھی سنیئے کیا تھا خواب

اپنے گھر سے وہ نکلے
باغ میں آموں کے پہنچے

پیڑوں میں تھے قلمی آم
مالی کرتا تھا آرام

موقع تھا یہ کیا اچھا
منہ میں پانی بھر آیا

چڑھ گئے پیڑ پہ جلدی سے
ان کاموں میں ماہر تھے

آموں کی خوشبو بھائی
ٹھنڈی سی اک سانس آئی

جلدی جلدی توڑے آم
آم تھے یہ سارے بے دام

آموں کا جو ڈھیر لگا
ادر گرنے کا شور ہوا

مالی نے بھی کروٹ لی
نیند آنکھوں سے بھاگ گئی

ڈنڈا لے کر اٹھا وہ
پیڑ کی جانب بھاگا وہ

چھوٹو میاں نے جب دیکھا
ہوش کہاں پھر تھا اپنا

اونچی شاخ پہ بیٹھے تھے
جلد اترتے وہ کیسے

پاؤں جو پھسلا جلدی میں
جسم نہ سنبھلا جلدی میں

پیڑ سے بھائی دھم ! سے گرے
پوری طاقت سے چیخے

آنکھ کھلی تو کیا دیکھا
فرش پہ لیٹے ہیں بھیا

دوس…

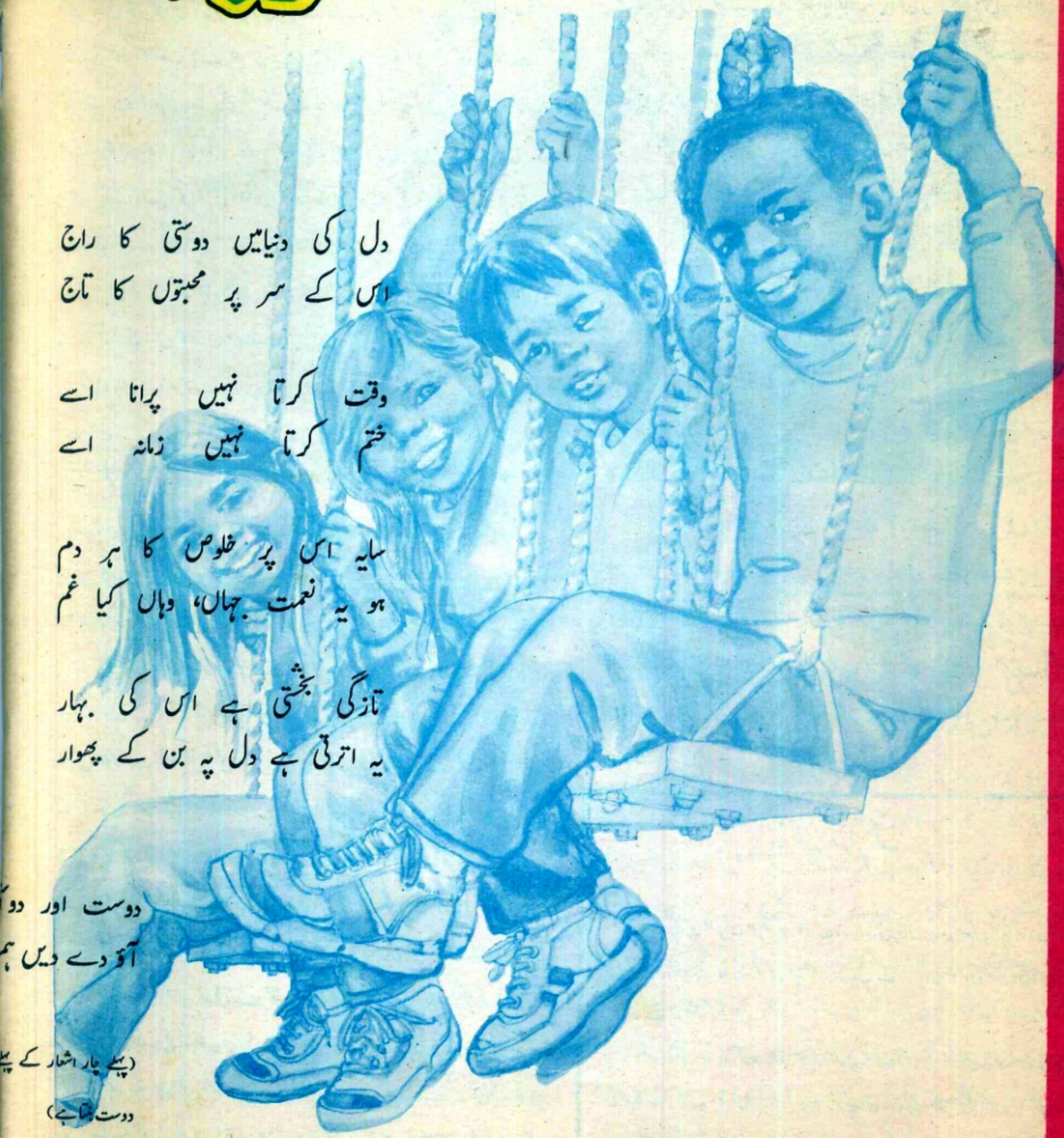

دل کی دنیا میں دوستی کا راج
اس کے سر پر محبتوں کا تاج

وقت کرتا نہیں پرانا اسے
ختم کرتا نہیں زمانہ اسے

سایہ اس پر خلوص کا ہر دم
ہو یہ نعمت جہاں، وہاں کیا غم

تازگی بخشتی ہے اس کی بہار
یہ اترتی ہے دل پہ بن کے پھوار

دوست اور دو…
آؤ دے دیں ہم…

(پہلے چار اشعار کے پہلے…
دوست بنتا ہے)

ستی

حفیظ الرحمن احسن

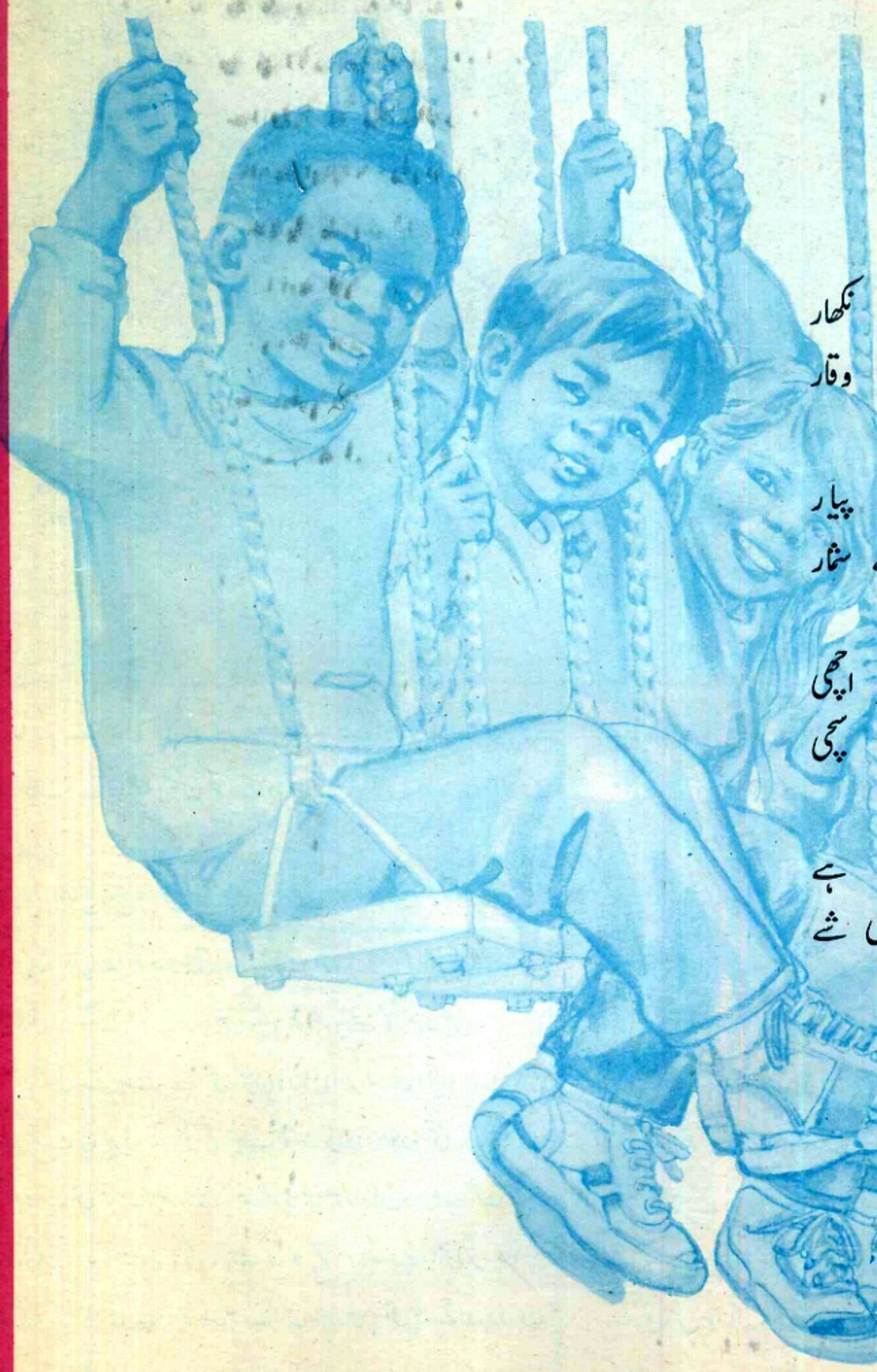

اس سے آتا ہے چاہتوں پہ نکھار
یہ بڑھاتی ہے زندگی کا وقار

یہ سکھاتی ہے ساتھیوں سے پیار
اس کی اچھائیاں ہوں کیسے شمار

اچھے لوگوں کی دوستی اچھی
ساتھ اچھا تو ہر خوشی سچی

دوستی بھی عجیب نعمت ہے
ہم کو دیتی ہے دوست جیسی شے

ہیں دونوں ساتھ
کے ہاتھ میں ہاتھ

ے حروف ملائے جائیں تو لفظ

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor: www.jawanadab.com)

پلاٹ اور ہم --- اوئی

ہمایوں مجاہد

رات کے ڈھائی بجے ہوں گے، جب اچانک ہماری آنکھ کھل گئی۔ کوئی دستک دے رہا تھا۔ لیکن گھر کے دروازے پر نہیں، ہمارے ذہن کے دروازے پر۔

کون دستک دے رہا تھا؟

ایک حیرت انگیز، ہیبتناک، دہشتناک اور ڈراؤنی کہانی کا پلاٹ ---

ایسی ڈراؤنی کہ رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔ اور عمر بھر بیٹھنے کا نام نہ لیں۔

ہم کہانی کے پلاٹ سے بھی کہیں ڈراؤنی اور حیرت انگیز جست لگا کر اٹھے اور کمرے کی گہری تاریکی کو ٹیوب لائٹ کی دودھیا روشنی سے بھگا دیا۔ کاغذ قلم ویسے ہی ہمارے سرہانے رکھا تھا چونکہ ہمارا ذہین دماغ ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہی رہتا ہے یہ الگ بات کہ جو کچھ سوچتا ہے، اس کی سزا بھی کھوپڑی کو بھگتنا پڑتی ہے۔ چونکہ جوتے اس بیچاری پر ہی پڑتے اور دور دور تک آواز دیتے ہیں۔

لیجئے، ہمارے قلم نے پلاٹ پر کام کرنا شروع کر دیا۔ پلاٹ اس طرح تھا۔

آدھی رات کا وقت ہے۔ آسمان پر چاند نہیں ہے۔ کہیں کوئی اکا دکا ستارہ دکھائی دے تو دے وگرنہ سارے آسمان پر بادل چھائے ہیں۔ گہرا سناٹا اور تاریکی ہے۔ ہاتھ کو ہاتھ اور ٹانگ کو ٹانگ سجھائی نہیں دیتی۔ ہم اپنے ننھیالی گاؤں "ہرن پور" کے قبرستان کے ساتھ ساتھ چلے جا رہے ہیں۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آگے پیچھے دیکھتے ہوئے ہم محتاط قدم اٹھا رہے ہیں۔ ہلکی ہلکی پراسرار ہوا بھی چل رہی ہے۔ جو اس طرح کی خوف زدہ کرنے والی کہانیوں میں اکثر چلا کرتی ہے۔ "حسب معمول" کہانی میں خشک پتے بھی ہیں، جن کے کھڑکنے سے دل دہل جاتا ہے اور ہمارے چلتے قدم رک جاتے ہیں۔ جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کی جتنی کہانیاں ہم نے پڑھی تھیں، وہ کم بخت ساری کی ساری اس ہولناک وقت میں ذہن میں تازہ ہو گئی ہیں۔ چنانچہ لمبے لمبے سفید دانتوں اور بھیانک آنکھوں والے بھوت قبرستان کے درختوں سے جھانک جھانک کر ہماری جان ناتواں ہلکان کئے دے رہے ہیں۔ پھر دفعتاً ایک چیخ

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor: www.jawanadab.com)

سنائی دیتی ہے، جو یقیناً قبرستان کی طرف سے آئی ہے، پھر ایک اور چیخ۔۔۔۔ اور اب ایکا ایکی بیسیوں چیخیں فضا میں گونجنے لگی ہیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ چیخیں درد میں ڈوبی ہوئی چیخیں ہیں۔ ہم پسینے میں تر بتر کھڑے ہیں اور دل ہی دل میں دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے اپنی شرارتوں اور نت نئی کارستانیوں کی خدا سے معافی مانگ رہے ہیں۔ لمبے لمبے چمکیلے دانتوں والے ناچتے اور شور مچاتے بھوت ہمیں دیکھ دیکھ ہنس رہے ہیں اور اپنی پہلے سے بگڑی ہوئی شکلیں مزید بگاڑ بگاڑ کر ہمیں ہراساں کر رہے ہیں۔ ہماری نانگوں پر کپکپی طاری ہے جیسے کسی نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تنی ہوئی نائلن کو انگلی سے دبا کر چھوڑ دیا ہو۔

ہی ہی ہی ہی، اوئی اوئی اوئی، کی سی شرارتی آوازیں گہرے اندھیرے میں اپنی ہولناکیاں دکھا رہی ہیں۔ پتوں کی کھڑکھڑاہٹ ماحول کی پراسراریت میں مسلسل اضافہ فرما رہی ہے۔ ہم نے آیت الکرسی پڑھنے کے لیے پورا زور لگایا، لیکن اس کے اولین الفاظ ہماری زبان پر نہیں چڑھے۔ ہماری تیس مار خانیاں پسینے کی صورت مساموں سے نکل کر اور بہہ بہہ کر ہمارے جوتے بھگو رہی ہیں پھر ایک مفید خیال آتے ہی ہم اپنی سہمی ہوئی نظروں کے گھوڑے گردوپیش میں دوڑا کر لمبی سی سفید داڑھی والے اس بزرگ کو تلاش کرتے ہیں جو اس موقع پر اکثر "کہیں" سے نمودار ہو کر مصیبت زدہ آدمی کو کوئی نسخہ نجات بتاتے اور اس کے لیے تسلی، تشفی کا سامان کیا کرتے ہیں۔ لیکن باوجود زور لگانے کے، وہ بزرگ بھی اپنا جلوہ نہیں دکھاتے۔ ہمارا خوف اور کانپتی ہوئی نائلن کی رسی سے مشابہہ ہماری کپکپاہٹ دو چند ہو جاتی ہے۔ اور پھر۔۔۔۔۔

اوہ خدایا، ان قبرستانی بھوتوں نے ہماری جانب حرکت کرنا شروع کر دی ہے، وہ ناچ رہے ہیں، گا رہے ہیں اور ہمیں لرزا رہے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھیں سختی سے میچ لیں۔ وہ کم بخت مسلسل ہمارے قریب ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ اب ہمارے اور ان کے درمیان فقط چند قدموں کا فاصلہ باقی ہے۔۔۔۔۔

اوئی،

اس کے بعد کیا ہوا؟

اس کے بعد یہ ہوا کہ کوئی اور راہ فرار نہ پا کر ہم کمرے کی لائٹ آف کیے بغیر بستر میں دبک گئے، اپنے آپ سے اس عہد کے ساتھ کہ آئندہ جب کبھی بھی ہمارے دماغ کے دروازے پر کسی پلاٹ نے دستک دی تو ہرگز ہرگز دروازہ نہیں کھولنا۔ کیا پتہ دروازہ کھول دینے پر یہی پلاٹ سامنے کھڑا نظر آئے، لمبے لمبے سفید اور چمکیلے دانتوں والے بھوتوں کی بھیانک شکلوں والا پلاٹ، اوئی۔۔۔۔!

O

خوشخبری

ملک کے معروف اور
آپ کے پسندیدہ مصنف

اشتیاق احمد

نے ماہنامہ دوست کے لیے دلچسپ ناول "چوریاں" تحریر کیا ہے۔
اس کی پہلی قسط جون 93ء کے شمارے میں شائع ہو گی۔

سالانہ خریدار بنیئے۔ رقم بذریعہ منی آرڈر/ بنک ڈرافٹ ارسال کریں

نام _____

مہینہ جس سے رسالہ جاری کرنا ہے _____

رقم _____

پتہ _____

_____

_____

ماہنامہ "دوست" 1۔ شکیل چیمبرز، خیابانِ سہروردی، اسلام آباد

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.javedadab.com)

فاختہ لوٹ آئے گی

کلیم خارجی

دونوں سپاہی ہانپتے کانپتے پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہوئے اور چوٹی پر بیٹھ کر اپنے سامنے ویران تباہ شدہ گاؤں کو حسرت سے دیکھنے لگے۔ دونوں خوراک اور پانی کی تلاش میں یہاں تک پہنچے تھے لیکن گاؤں کے منظر نے انہیں مایوس کر کے ان کی بھوک اور پیاس میں اضافہ کر دیا تھا۔ بہت دیر تک اس طرح بیٹھے بیٹھے وہ اگلے سفر کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اچانک ایک سپاہی نے دوسرے سے کہا، جونیئر جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں۔ تم بھی وہ دیکھ رہے ہو، دوسرا حیران ہو کر بولا، سینئر تم آخر کیا دیکھ رہے ہو؟ دوسرے نے کچھ جواب دینے کی بجائے اپنی انگلی سیدھی کر کے اسے دیکھنے کے لیے کہا۔ نیچے ٹوٹے مکانوں کے ملبے کے قریب سے ایک شگاف کے اندر سے ایک ننھی اور خوبصورت لڑکی نمودار ہوئی تھی۔ اس نے اپنی نازک سی کلائی پر کوئی پرندہ بٹھایا ہوا تھا۔ دونوں سپاہی لڑکی کو آگے کی طرف بڑھتا دیکھنے لگے۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اس ٹیلے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ جہاں ٹوٹے ہوئے تباہ شدہ ہوائی جہاز کا ملبہ پڑا ہوا تھا۔

ہمیں اس کے پاس جانا چاہیے، جونیئر نے مشورہ دیا۔

تم جانتے ہو کہ اس گاؤں سے ہمارے سپاہیوں کی گاڑیاں گزری تھیں۔ جو کچھ سامنے دیکھ رہے ہو۔ ہمارے سپاہیوں نے کیا ہے۔ لڑکی ہمیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جائے گی۔ پتہ نہیں ہمیں دیکھ کر اسے کیا احساس ہو۔ جنگ نے ننھے اور معصوم دل و دماغ پر جانے کیا اثر چھوڑا ہو گا؟

ہو سکتا ہے اس کے ذریعے ہمیں کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔ جونیئر نے پھر ترغیب دی۔

لیکن سینئر خاموشی اور سنجیدگی سے لڑکی کی حرکات دیکھتا رہا۔ جونیئر نے پھر اکساتے ہوئے کہا۔ ہو سکتا ہے ہم لڑکی کے کسی کام آ جائیں۔ کیا خبر وہ بالکل اکیلی ہو۔ کوئی مکان کوئی دیوار سلامت نہیں، لڑکی کیسے بچ گئی ہے؟ سینئر نے خود کو نیچے گھسیٹتے ہوئے کہا۔ آؤ چلتے ہیں۔ لیکن لڑکی کو احساس نہیں ہونا چاہیے۔

دونوں سپاہی پھسل کر پہاڑی سے نیچے اترے اور رینگتے ہوئے لڑکی کا تعاقب کرنے لگے۔ مکانوں کے ملبے میں سے گزر کر چلنا بہت دشوار تھا۔ خوبصورت سی لڑکی کے پیروں میں ٹوٹے ہوئے پرانے جوتے تھے۔ جو اس

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

کے پاؤں کی جسامت سے بہت بڑے تھے۔ لڑکی ٹیلے کے پاس آکر رک گئی۔ سپاہی اس کے قریب آچکے تھے۔ لڑکی انہیں صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے قدموں کی آواز بھی انہیں سنائی دینے لگی۔ لڑکی نے اپنی سفید نارک کلائی پر فاختہ بٹھا رکھی تھی۔ ٹیلے کے پاس کھڑے ہو کر لڑکی نے کلائی اوپر اٹھا کر فاختہ سے کہا۔ اب تم اڑ جاؤ۔ تمہیں یاد ہے نا، ابو نے تمہارے سب ساتھی اس ٹیلے پر چڑھ کر آزاد کر دیئے تھے۔ سب اڑ گئے تھے لیکن تم سے اڑا نہیں گیا۔ اب کوشش کرو، لڑکی نے دو تین مرتبہ کلائی اٹھا کر فاختہ کو اڑنے کے لیے کہا۔ لیکن فاختہ کلائی سے چمٹی ہوئی خوف سے لڑکی کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔ تم کب اڑو گی۔ یہ کہہ کر لڑکی فاختہ کو ننھے ہاتھ سے سہلاتے ہوئے مڑی۔ چند قدم چلنے کے بعد لڑکی سہم کر رک گئی۔ اسے مٹی کے ڈھیر کے پیچھے سپاہی کے بڑے بڑے سیاہ بوٹ دکھائے دے رہے تھے۔ اسے پتہ تھا کہ اس جیسے بوٹ گاؤں میں گردش کرنے لگے تھے۔ انسانی جانیں اور مکان سب تباہ ہو گئے تھے۔ سپاہی لڑکی کی حالت سمجھ گئے۔ سینئر نے چیخ کر دوستی کے انداز میں کہا۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ خدا کے لیے ہم سے مت ڈرو۔ گھبراؤ مت، لیکن وہ خاموشی اور خوف سے اپنی جگہ کھڑی رہی۔ اس کے ننھے ننھے ہاتھ فاختہ کو چھپانے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ سپاہیوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اچانک سینئر نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر گھٹنوں کے بل لڑکی کی طرف چلنا شروع کیا۔ دوسرے سپاہی نے بھی اس کی تقلید کی۔ قریب پہنچ کر سینئر نے اپنائیت اور شرارت سے کہا، ہمیں مارنا مت، لڑکی کا خوف کم ہو چکا تھا اور اس کے چہرے پر سنجیدگی بڑھ رہی تھی۔ دونوں سپاہی ہاتھ اٹھائے گھٹنوں کے بل اس کے سامنے موجود تھے۔ جونیئر نے التجا کرتے ہوئے کہا۔ ہم بہت دور سے آئے ہیں۔ تھکے ہوئے بھوکے اور پیاسے ہیں۔ آپ جائیں مت۔ میں کچھ کھانے پینے کے لیے لاتی ہو۔ وہ چھوٹے قدموں سے آگے بڑھی اور ان کے سامنے سے ہوتی ہوئی ٹوٹے مکان کی دیواروں میں غائب ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ آئی تو اس نے اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھایا ہوا تھا۔ فاختہ کو کاندھے پر بٹھا کر اس نے ایک ہاتھ میں پانی کا برتن اور دوسرے میں ایک بڑا سا کپڑے کا تھیلا پکڑ رکھا تھا۔ سپاہیوں کو چیزیں دینے کے بعد وہ اعتماد سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔ تھیلے میں بھنے ہوئے آلو اور چند روٹیاں تھیں۔ پانی پی کر سپاہیوں نے کھانا شروع کیا تو وہ معصومیت سے بولی۔ میرا نام فاخرہ ہے۔ اور یہ میری دوست فاختہ ہے۔ یہ اڑتی نہیں ہے۔

یہ کب سے تمہارے پاس ہے، سینئر نے پوچھا۔

بہت سالوں سے۔ ہمارے گھر میں دو بڑے پنجرے تھے۔ جن میں طوطے، بلبلیں، مینائیں، کبوتر اور یہ فاختہ تھی۔ جب پہلی مرتبہ ہمارے گاؤں پر بمباری ہوئی تو ہمارے مکان کا آدھا حصہ تباہ ہو گیا۔ پنجرہ بھی ٹوٹ چکا تھا۔ ابو نے کہا کہ پرندے آزاد کر دینے چاہیں۔ وہ پنجرے اٹھا کر اس ٹیلے پر لائے۔ اور سب کو آزاد کر دیا۔ سب اڑ گئے لیکن یہ فاختہ رہ گئی۔ ابو نے مجھے دے دی۔ پتہ نہیں یہ کیوں اڑتی نہیں۔

تمہارے ابو کہاں ہیں۔ جونیئر نے سوال کیا۔

دادی اماں کہتی ہیں۔ وہ پرندے واپس لینے گئے ہیں۔ لڑکی نے معصومیت سے کہا۔ وہ اکیلے تو نہیں گئے۔ ساتھ میرے ماموں چچا اور دادا ابو بھی گئے ہیں۔

احساس جرم نے سپاہیوں کو خاموش کر دیا۔ اب ان سے نوالے نگلنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس وقت گھر میں کون کون ہیں۔ جونیئر نے سناٹا توڑا۔

دادی اماں اور میں۔ فاخرہ نے فاختہ کے پیروں سے کھیلتے ہوئے کہا۔

اور باقی سب۔۔۔؟ امی۔۔ خالہ۔۔؟

اس کے جواب میں فاخرہ کا چہرہ خاموشی اور دکھ سے مرجھا گیا۔

کیا ہم تمہاری دادی اماں سے مل سکتے ہیں؟ سینئر نے دوستانہ آواز میں کہا۔

فاخرہ نے انکار میں گردن ہلا کر خوف سے سپاہیوں کو گھورنا شروع کر دیا۔

فاخرہ کے احساسات محسوس کر کے سینئر نے بات بدلتے ہوئے کہا۔ اچھا مجھے بتاؤ۔ تمہاری فاختہ کیوں اڑتی نہیں۔؟

فاخرہ نے نہایت احتیاط سے فاختہ سپاہی کے حوالے کی۔ سپاہی نے اسے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھا اور پھر کہا۔ اس کی بائیں ٹانگ ٹوٹ چکی ہے۔ اس کا علاج کرنا پڑے گا۔

پھر یہ اڑ سکے گی۔؟ فاخرہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

کیوں نہیں۔ سینئر نے اعتماد اور خلوص سے کہا۔ اسے ہم اڑائیں گے۔

دادی اماں کہتی ہیں۔ جب فاختہ اڑے گی تو خوشی کا دن ہو گا۔ فاختہ اپنے

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor: www.javanadab.com)

ساتھ خوبصورت پرندوں کو لے کر آئے گی۔ میرے ابو اور ماموں چچا بھی آ جائیں گے۔ پرندے بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔

مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ دادی اماں کہتی ہیں۔ جہاں پرندے ہوتے ہیں۔ وہاں خوبصورت پھول اور پودے بھی اگ آتے ہیں۔ فاخرہ نے یہ کہہ کر اپنے چاروں طرف ٹوٹے مکانوں اور جہازوں کے ملبے کو دیکھ کر فاختہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

ٹھہرو۔ میں اس کی ٹانگ باندھ دوں۔ سینئر نے کہا۔ پھر اس نے اپنے خنجر سے اپنی پتلون کا پائنچہ پھاڑ کر پٹی بنائی۔ اور فاختہ کی ٹانگ باندھ کر فاخرہ کو تھماتے ہوئے کہا۔ تھوڑی سی دوائیں تیار کرنا پڑیں گی۔ بس ہم اپنی پیاری شہزادی کی فاختہ کو ٹھیک کر کے اڑائیں گے۔

سپاہیوں نے پھر فاخرہ کی دادی سے ملنے کا ارادہ کیا تو وہ سہم گئی۔ لگتا ہے تم نے ہمیں اپنا دوست تسلیم نہیں کیا۔ سینئر نے گلہ کیا۔ فاخرہ ان کے بوٹوں اور وردیوں کو دیکھتے ہوئے اپنی چیزیں اٹھا کر واپس مڑ گئی۔ سپاہی کچھ دیر خاموشی سے بیٹھے رہے۔ اچانک سینئر نے نعرہ لگاتے ہوئے جونیئر کو اٹھایا۔ دونوں بہت دیر تک مکانوں کے ملبوں میں ادھر ادھر تلاش کا کام کرتے رہے۔ انہیں بہت سے رنگ برنگے چھوٹے کپڑے مل گئے۔ سپاہیوں نے انہیں کاٹ چھانٹ کر اور ایک دوسرے سے باندھ باندھ کر اپنے لباس تیار کیے۔ وردیاں اور بوٹ اتار کر وہ رنگ برنگے چیتھڑوں میں فاخرہ کے مکان کی طرف بڑھ گئے۔ کچھ دیر وہ فاخرہ کے باہر نکلنے کا انتظار کرتے رہے۔ پھر سینئر نے محبت سے آواز دی۔ فاخزہ، فاخرہ ہم آ گئے۔

اندر سے ایک بوڑھی کمزور سے جسم والی خاتون باہر آئی۔ اس کے چہرے پر رعب اور شفقت کا رنگ پھیلا ہوا تھا۔ سپاہی پہچان گئے۔ یہی فاخرہ کی دادی اماں تھیں۔ دادی اماں نے ان کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا، بہت دنوں بعد بستی میں ہماری آواز کے علاوہ کوئی دوسری ابھری ہے۔ بچو تمہیں دیکھ کر خوشی اور ہمت ہوئی ہے۔

خدا کا شکر ہے۔ ہمارے علاوہ بھی اس بستی میں انسان نظر آئے۔ اندر آ جاؤ۔

سپاہی دادی اماں کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے مکان میں چلے گئے۔ فاخرہ ٹوٹے سے برتن میں فاختہ کو پانی پلانے میں مصروف تھی۔ اس نے چونک کر دادی اماں کے پیچھے رنگ برنگے چیتھڑوں میں دو آدمیوں کو دیکھا۔ پہچان کر اس نے قہقہے لگا کر ہنسنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں وردی میں دیکھ چکی تھی۔ وردی میں وہ جس قدر معزز اور سنجیدہ لگتے تھے۔ اب اس سے بڑھ کر مضحکہ خیز مسخرے لگ رہے تھے۔ فاخرہ کو ہنستے دیکھ کر جونیئر نے بندروں کی طرح حرکتیں شروع کر دی۔ دادی اماں نے پیار سے فاخرہ کو ٹوکا۔ نہیں بیٹا غریب اور لٹے ہوئے لوگوں پر ہنستے نہیں۔

آپ اسے ہنسنے سے نہ روکیں۔ ہم خود ایسا چاہتے ہیں۔ جونیئر نے کہا۔

دونوں سپاہیوں نے دادی اماں کو بتایا کہ وہ اسی ملک کے باشندے ہیں۔ دشمن سے بچتے بچاتے اور خوراک پانی کی تلاش میں یہاں تک آ گئے ہیں۔ دادی اماں نے انہیں ہمدردی سے دیکھا اور کہا میری طرح دکھی ہو۔ کاش انسان اس قدر ظالم نہ ہوتا۔ غصے اور نفرت میں وہ کتنا گر جاتا ہے۔ چند خود غرض لوگوں کی وجہ سے ہزاروں افراد اذیت میں پھنس گئے ہیں۔ فاخرہ دیکھ رہی تھی کہ سپاہی جھوٹ بول رہے ہیں۔ لیکن ان کے چہرے اور باتوں سے خلوص اور محبت کا رنگ چھلک رہا تھا۔ اس نے بھی دل ہی دل میں دادی اماں سے سپاہیوں کی حقیقت چھپانے کا فیصلہ کر لیا۔ دادی اماں نے انہیں اپنے ہاں ٹھہر جانے کو کہا تو سپاہیوں نے شکریے کے ساتھ حامی بھر لی۔ وہ جانتے تھے کہ برباد گاؤں میں دادی اماں اور فاخرہ کا کوئی سہارا نہیں رہا۔ فوجیں دوبارہ اس طرف آ سکتی ہیں۔ اور جنگ کے حالات کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔ پھر دونوں سپاہیوں نے پہلے دن فاخرہ کے مکان کی مرمت اور صفائی کا منصوبہ بنایا۔ صحن اور کمروں کے اندر سے ملبہ نکالا۔ صحن کی چار دیواری کھڑی کر دی۔ اگلے دن انہوں نے باورچی خانہ اور دو کمرے تیار کر لیے۔ گھر میں رونق اور سکون بڑھتا جا رہا تھا۔ فاخرہ اور دادی کو دونوں سے محبت ہو گئی تھی۔ فاخرہ اکثر ان سے سوال کرتی۔ آپ ہمیں چھوڑ کر کہیں جائیں گے تو نہیں۔؟ نہیں اتنی معصوم اور خوبصورت شہزادی اور اس کی فاختہ کو چھوڑ کر ہم کہاں جا سکتے ہیں۔ ایک روز انہوں نے مٹی کے ٹیلے کے قریب زمین کی صفائی کی۔ زرخیز زمین نمودار ہوئی تو شام تک دونوں سپاہیوں نے کھیت تیار کر دیا۔ واپس مڑتے وقت سپاہی کو فاخرہ کی بات یاد آ گئی۔ اس نے فاختہ لے کر اس کی ٹانگ دیکھی۔ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہی ہے۔ پھر اس نے فاختہ کو چومتے ہوئے کہا۔ دادی اماں درست کہتی ہیں جس دن فاختہ اڑے گی وہ امن اور زندگی کا دن ہو گا۔ فاختہ

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

اپنے ساتھ بہت سے پرندے لائے گی اور پرندے اپنے ساتھ پودوں اور پھولوں اور سبزیوں کے بیج لائیں گے۔ تمہاری کھیت صرف پرندے ہی آباد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس کھیت میں اگانے کے لیے کچھ نہیں۔ جو سبزیاں ہیں وہ گلی سڑی ہیں۔ انہیں زمین میں دبا کر ہمیں بھوکا رہنا پڑے گا۔

سپاہیوں نے چند دنوں میں بہت سا کام کر دیا تھا۔ مکان خوبصورت اور مضبوط ہو گیا تھا۔ کھیت تیار ہو گیا تھا۔ فاختہ کی ٹانگ بھی پہلے سے بہتر ہو رہی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ سپاہیوں نے آس پاس کے گرتے ہوئے مکانوں کے اندر سے ضرورت کی چھوٹی بڑی چیزیں بھی اکٹھی کر لیں تھیں۔

ایک دوپہر کو جب چاروں افراد سادہ سا کھانا کھا رہے تھے۔ دادی اماں نے پوچھا جنگ کہاں تک پہنچی۔ کوئی خبر نہیں مل رہی۔ اماں جی، جنگ اس طرف بڑھ رہی ہے۔ جہاں آبادیاں ہیں۔ دشمن جس گاؤں کو تباہ کر دے۔ اپنے ملک کے لوگ بھی اس طرف نہیں آتے۔ ان کے خیال میں شاید کوئی زندہ نہیں۔ جس کی مدد کی جائے۔ یا حالات سے باخبر رکھا جائے۔ جونیئر نے اپنا تجزیہ سنا کر داد طلب نگاہوں سے سینئر کی طرف دیکھا۔

دادی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ہم کب تک ایسے جیئں گے۔ کتنا آباد گاؤں تھا۔ کتنا خوبصورت اور پر رونق تھا یہ گھر شاید آج میں بھی یہاں نہ ہوتی۔ میں تو چپکے سے مرنے والوں کی دعائے مغفرت کے لیے قبرستان چلی گئی تھی۔ فاخرہ بھی ضد کرتے کرتے مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ باہر نکلنے پر پابندی تھی۔ لیکن مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں چل پڑی۔ دعا کر کے واپس آئی تو راستے میں خونخوار اور وحشی سپاہیوں کو دیکھا۔ جن کے چہرے پر فتح اور درندگی کی آگ برس رہی تھی۔ سپاہیوں نے شاید ہمیں دیکھا نہیں تھا۔ ہم گھر واپس آئے تو۔۔۔" آگے کی بات دادی اماں کے بہتے آنسوؤں نے مکمل کر دی۔

سینئر اور جونیئر نے دکھ اور پشیمانی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر منہ نیچے کر لیے۔ دادی اماں نے فاخرہ کو بھینچتے ہوئے کہا۔ اب تو سب کچھ اس کے وجود میں ہے۔ سب لوگوں کی یادیں۔ اور مستقبل کی امیدیں اس کے اندر ہیں۔

سینئر نے دادی اماں کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ اماں جی۔ بہت دن ہو گئے ہیں کسی ہوائی جہاز اور دھماکے کی آواز نہیں سنی۔ ہم میں سے ایک آدمی کل صبح جا کر حالات کی خبر لے کر آئے گا۔ ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے سینئر نے کہا۔ آج میں اپنے ہاتھوں سے سبزیوں کا شوربہ تیار کروں گا۔

دادی اماں بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے جلدی سو جاتی تھیں۔ جب سے سپاہی ان کے پاس رہنے لگے تھے۔ دادی اماں گہری نیند سونے لگیں تھیں۔ فاخرہ کو سینے سے لگا کر سونا ان کی عادت تھی۔ فاخرہ کو نیند نہ آئی۔ لیکن وہ جھوٹ موٹ سو کر دادی اماں کے سینے سے لگی رہتی۔ اسے ہر بار یہ احساس ہوتا کہ اس نے دادی اماں کو اپنے سینے سے لگایا ہوا ہے۔ اس رات بھی وہ پوری طرح جاگ رہی تھی۔ گہری رات کے سناٹے میں دوسرے کمرے سے دونوں سپاہیوں کی سرگوشیاں اسے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ سینئر نے کہا۔ جونیئر ہم اپنے ساتھیوں کے لیے غذا اور پانی کی تلاش میں نکلے تھے۔ آج ہمیں دس روز ہو گئے ہیں۔ تم جانتے ہو کمانڈر کتنا بے رحم اور ظالم آدمی ہے۔

تم صحیح کہہ رہے ہو سینئر، جونیئر نے جواب دیا۔ اگر وہ یہاں تک پہنچ گیا۔ تو ہمارے ساتھ معصوم بچی اور اماں جی بھی مارے جائیں گے۔ تم جانتے ہو کہ غدار بنانا اور ثابت کرنا اس کے لیے کتنا آسان ہے۔

میرا خیال ہے کل صبح تم خوراک اور پانی لے کر چلے جاؤ۔ سینئر نے مشورہ دیا۔ میرے بارے میں کہنا کہ میں گم ہو گیا ہوں۔ کیونکہ میں اب فاخرہ اور اماں جی کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔

دل تو میرا بھی نہیں چاہتا۔ لیکن کمانڈر کو یہاں آنے سے روکنے کے لیے اس کے پاس جانا ضروری ہے۔ مجھے جانا پڑے گا۔ جونیئر نے ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا۔

صبح صبح جونیئر نے یہ کہہ کر اجازت لی کہ وہ حالات اور واقعات کی خبر لینے جا رہا ہے۔ دادی اماں اور فاخرہ نے اسے روکا کہ خبر خود کبھی نہ کبھی یہاں پہنچ جائے گی۔ مگر سینئر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا اماں جی یہ ضروری ہے۔ ہمیں پتہ چلے گا کہ حکومتیں کیا کر رہی ہیں۔ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ بڑی مشکل سے دادی اماں اور فاخرہ کو راضی کیا گیا۔ تینوں اسے بستی کے باہر تک چھوڑنے آئے۔ فاخرہ نے آخری بار پھر سوال کیا۔ اگر آپ نہ جائیں تو کیا ہو گا؟ اس کے جواب میں جونیئر نے پیار سے فاخرہ کو اٹھا لیا اور اس کی فاختہ اور فاخرہ کو چوم کر نیچے اتار دیا۔ سینئر نے دکھ اور اضطراب میں سلیوٹ کر کے جونیئر کو رخصت کیا۔

جونیئر کو گئے دو روز ہو چکے تھے۔ دادی اماں اور فاخرہ کے دکھ میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ادھر سینئر اپنے خدشات کی وجہ سے پریشان تھا۔ لیکن وہ کسی پر

اظہار نہیں کر سکتا تھا۔

چوتھے روز فاخرہ خالی کھیت میں فاختہ کو لیے گھوم رہی تھی۔ اچانک اس نے بستی کی طرف گرد اڑاتی جیپ کو آتا دیکھا۔ گھبراہٹ سے بھاگتی ہوئی وہ گھر میں داخل ہوئی۔ سینئر لکڑیاں توڑ توڑ کر چولہا جلانے میں دادی اماں کی مدد کر رہا تھا۔ بستی کی طرح انہیں سپاہیوں کی جیپ آ رہی ہے۔ جو پہلے آئے تھے۔ فاخرہ نے لرزتی آواز میں خبردار کیا۔ سینئر نے فوراً اندازہ لگا لیا۔ اس نے فاخرہ اور دادی اماں کو گھر کے ایک خفیہ کونے میں جا کر چھپا دیا اور سختی سے کہا، کہ جب تک وہ خود آ کر نہ کہے۔ وہ اس جگہ سے حرکت نہیں کریں گی۔ پھر اس نے دیوار کے ایک شگاف میں سے تیز رفتار جیپ کو آتے دیکھا۔ جیپ کو ان کا کمانڈر چلا رہا تھا۔ بڑھی ہوئی داڑھی اور لمبی لمبی مونچھوں میں وہ خوفناک ریچھ کی طرح مکان کے چاروں طرف گھور رہا تھا۔ مکان کے دروازے کے پاس آ کر اس نے جھٹکے سے جیپ روکی۔ اور نیچے اتر کر غصیلی آواز میں چیخا۔

کیپٹن باہر نکل آؤ۔ تم غدار ثابت ہو گئے ہو۔ تم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ دھوکا کیا۔ تمہیں موت کی سزا دینے آیا ہوں۔ یہ کہہ کر کمانڈر نے خاموشی اور چالاکی سے اپنی بندوق سیدھی کی۔ کمانڈر تھوڑی دیر انتظار کے بعد پھر چیخا۔ باہر نکلو، غدار، تمہیں غذا اور پانی کی تلاش میں یہاں بھیجا گیا۔ تم خود مزے کرنے لگے۔ بھوک اور پیاس کی وجہ سے پہاڑوں کے اندر ہمارے آٹھ آدمی ہلاک ہو گئے۔ ان سب کی ذمہ داری تم پر ہے۔ تم قاتل بھی ہو۔ غدار بھی ہو۔ جونیئر اپنے انجام کو پہنچ چکا ہے۔ اور اس پہلے کہ کمانڈر پھنکارتا ہوا گھر میں داخل ہوتا۔ اسے اپنے عقب سے آواز سنائی دی۔ کمانڈر میں یہاں ہوں۔ گولی چلنے سے پہلے میری بات سنو۔ لیکن طیش میں آئے ہوئے کمانڈر نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اندر کونے میں فاخرہ اور دادی اماں نے گولیوں کی آواز سن لی تھی۔ دادی اماں نے زور سے چیختے ہوئے کمانڈر کی باتیں بھی سن لیں تھیں۔ فاخرہ خوف کی وجہ سے صورت حال کا اندازہ نہ کر سکی۔ دادی اماں اپنے دل میں جیپ کے اسٹارٹ ہونے کا انتظار کر رہی تھیں۔ اچانک انہیں دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور صحن میں بھاری بوٹوں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ دادی اماں اٹھ کر باہر نکلنے لگیں۔ فاخرہ اپنی فاختہ کو تھامے ان سے چمٹ گئی۔ آخر دادی اماں خود کو سنبھالتے ہوئے فاخرہ کو سینے سے لگائے باہر آ گئیں۔

انہوں نے بپھرے ہوئے ایک سپاہی کو دوسرے کمرے میں گھستے دیکھ لیا۔ وہ تحمل اور خاموشی سے باورچی خانے میں گئیں۔ اور تھیلے میں رات کی پکی ہوئی روٹیاں اور بھنے ہوئے آلو لے کر اس کمرے کی طرف گئیں جس میں سپاہی داخل ہوا تھا۔ دادی اماں کے پیروں کی آواز سن کر کمانڈر بندوق سیدھی کرتا ہوا ان کی طرف آیا۔ دادی اماں نے تھیلا ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ اگر تم تھوڑی دیر ٹھہرو، تو تمہیں کھانے کی اور چیزیں بھی تیار کر کے دی جا سکتی ہیں۔ پانی کا گھڑا وہ سامنے پڑا ہے۔ کمانڈر نے ایک معزز اور معمر خاتون کو دیکھ کر اپنی بندوق نیچے کر لی۔ اسے غذا اور پانی کی اشد ضرورت تھی۔ دادی اماں کے سینے سے سہمی ہوئی فاخرہ کو دیکھ کر کمانڈر کی آنکھوں میں چھائی ہوئی دہشت ذرا کم ہوئی۔ اس نے بغیر کچھ کہے دادی اماں کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا۔ بندوق کو کاندھے سے لٹکا کر وہ گھڑے کے قریب گیا۔ گھڑا اٹھا کر وہ جاتے ہوئے رک کر بولا۔ شہروں اور بستیوں کو تباہ کر کے ہم نے بھوک اور پیاس حاصل کی۔ ہم نے دشمن کو شکست دے دی۔ لیکن بھوک اور پیاس نے ہمارے کئی سپاہیوں کو نگل لیا ہے۔ ہمیں اتنی بربادی کر کے افسوس ہو رہا ہے۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ گھڑے کو آرام سے رکھنے کے بعد اس نے جیپ اسٹارٹ کی۔ دادی اماں نے بھی باہر نکل کر اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ جیپ کی پچھلی نشست پر دادی اماں نے بے سدھ پڑے ہوئے شخص کو پہچان لیا تھا۔ سینئر آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹا تھا۔

اس کا جسم ڈھیلا پڑا تھا۔ دادی اماں نے دکھ سے آنکھیں بند کرتے ہوئے فاخرہ کے چہرے کو اپنے سینے میں چھپا لیا۔ اور دور جاتی ہوئی جیپ کو دیکھتی رہیں۔ بہت دیر کھڑے کھڑے دادی اماں نے خاموشی سے فاخرہ کو نیچے اتار دیا۔ وہ دعا کر رہی تھیں کہ فاخرہ کوئی سوال نہ کرے۔ فاخرہ کو ٹالنے کے لیے وہ کوئی بہانہ ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن فاخرہ نے پہلے ہی جیپ میں پڑے ہوئے سینئر کو پہچان لیا تھا۔ اس نے کمانڈر کی شکل بھی دیکھ لی تھی۔ اس نے دادی اماں پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ اسے بھی حقیقت کا علم ہو چکا ہے۔ دادی اماں کے رکے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر اس نے فاختہ کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اچھالتے ہوئے کہا، تم کب اڑو گی فاختہ، فاختہ اس کے ہاتھوں سے نکل کر ہوا میں تیرنے لگی۔ فاخرہ نے جوش میں اچھل کر تالیاں بجانا شروع کر دیں۔

بقیہ۔ صفحہ 6 پر

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

شکریہ ترا یا رب

اختر شیخ

امتحاں دیا میں نے، کامیاب تو نے کیا
مجھ پہ یوں کرم اپنا، بے حساب تو نے کیا

میں نے صرف مانگا تھا، اک شعور کا لمحہ
مجھ پہ اک جہان نو، بے نقاب تو نے کیا

میں تو ایک تنکا تھا، اور تھوڑے سن کا تھا
عقل سے بھرا مجھ کو، ماہتاب تو نے کیا

انتظام شب کا بھی، اہتمام صبح کا بھی
میں تو ایک جگنو تھا، آفتاب تو نے کیا

کلک علم تھا میں تو، تو نے برگ و بار دیئے
پھر نہال خواہش کو، لاجواب تو نے کیا

میں تو بے مہک سا تھا، میرے رنگ پھیکے تھے
شکریہ ترا یا رب، اک گلاب تو نے کیا

ایک فلسفی یونیورسٹی سے گھر جاتے ہوئے اپنے گھر کا راستہ بھول گئے۔ گھر پہنچنے کی ایک ترکیب ان کے ذہن میں آئی انہوں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور پتہ پوچھتے ہوئے اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ گئے۔

دروازے پر دستک دی تو ان کے صاحبزادے باہر تشریف لائے۔ پروفیسر صاحب نے اپنا نام لیکر پوچھا کہ پروفیسر سلیم یہیں رہتے ہیں؟ جی ہاں یہی انکا گھر ہے مگر ابھی وہ یونیورسٹی سے واپس نہیں آئے یہ کہہ کر صاحبزادے نے دروازہ بند کر دیا۔

میر ارشد شاہ، کراچی

ماسٹر:- دیکھو ملک چین کی آبادی اتنی زیادہ ہے کہ جتنی دیر، ہم ایک سانس لیتے ہیں ایک آدمی مرجاتا ہے۔ چند منٹ کے بعد ایک لڑکا جلدی جلدی سانس لینے لگا۔

ماسٹر:- تمہیں یہ کیا ہوگیا ہانپ کیوں رہے ہو۔

لڑکا:- ماسٹر جی چین کی آبادی کم کر رہا ہوں۔ اخبار میں پڑھا ہے کہ وہاں قحط پڑ گیا ہے۔

محمد اشرف گھانچی، کراچی

ایک عورت اپنے بیٹے کو اس کے باپ کی پہلی تصویر دکھاتے ہوئے بولی بیٹے یہ تمہارے ابو کی تصویر ہے، بیٹے نے تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا پھر وہ موٹا سا گنجا کون ہے، جو ہمارے گھر میں رہتا ہے۔

تنویر فاطمہ، اوکاڑہ

دو بچے آپس میں باتیں کر رہے تھے ایک بولا،

یار ہم جنت میں چلتے ہیں وہاں خوب سیر کریں گے اور پھل وغیرہ کھائیں گے۔

دوسرا:- مگر یار وہاں اسکول تو نہیں ہوگا نا؟

پہلا:- نہیں نہیں اسکول کا وہاں کیا کام اسکول تو دوزخ میں ہے۔

فرقان علی، حیدر آباد

ایک آدمی اپنی بیوی سے:-

بیگم:- تم مجھ سے کتنا پیار کرتی ہو۔

بیگم:- بہت زیادہ

شوہر:- اگر میں چارپائی پر بیٹھ جاؤں تو

بیگم:- تو میں کرسی پر بیٹھ جاؤں گی۔

شوہر:- اگر میں کرسی پر بیٹھ گیا تو پھر

بیگم:- تو میں زمین پر بیٹھ جاؤں گی۔

شوہر:- اگر میں زمین پر بیٹھ گیا تو

بیگم:- تو میں زمین کے اندر گڑھا کھود کر اس میں بیٹھ جاؤں گی۔

شوہر:- اگر میں گڑھے میں بیٹھ گیا تو

بیگم:- تو میں اوپر مٹی ڈال دوں گی۔

سمیع اللہ ریاض، لاہور

چاچا جان نے غصے میں آکر بھتیجے کی چھڑی سے خوب پٹائی کی بعد میں چاچا نرم لہجے میں بولے:-

"برخوردار" یہ مار نہیں تمہاری بھلائی ہے یہ سب تو میں محبت میں کرتا ہوں۔

بھتیجا روتے ہوئے:- کاش چاچا جان میں اتنا بڑا ہوتا کہ محبت کا جواب محبت سے دے سکتا۔

جاوید اقبال کہنوروی، حیدر آباد

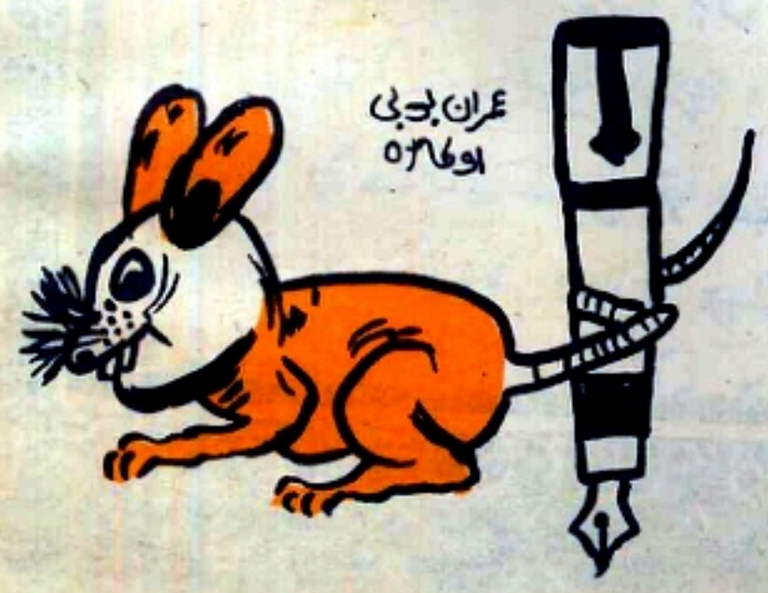

ایک لڑکا دسویں جماعت میں فرسٹ آیا، اخباری نمائندوں نے اس سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے؟

لڑکے نے فوراً جواب دیا کہ میں مریض بن کر ڈاکٹروں کی خدمت کروں گا۔

اشفاق علی پرنس، مردان

●

ایک مولوی صاحب وعظ فرما رہے تھے۔ موضوع تھا۔ "خیرات"۔ انہوں نے حدیث و قرآن کی روشنی میں خیرات کی برکات کا ذکر کیا۔ وعظ سننے والوں میں بہت سے غریب مستحق لوگ اور ایک کنجوس امیر آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ جونہی وعظ ختم ہوا دولت مند نے اونچی آواز میں کہا۔ سبحان اللہ

غریب مستحق بڑے خوش ہوئے اور امیر آدمی سے کہنے لگے شاید آپ نے خیرات کی برکات کا مفہوم سمجھ لیا ہے۔

امیر آدمی بولا۔ "خیرات کی برکات کا کیا کہنا؟ جی چاہتا ہے اسی وقت جھولی پھیلا کر گلی گلی مانگنے لگوں۔"

پرنس فرحت، کراچی۔

●

ایک بوڑھے کے دروازہ کھٹکھٹانے پر ایک بچہ باہر نکلا۔ "بیٹا ذرا ابو کو تو بلا دیں۔"

"جی وہ گھر پر نہیں ہیں۔" بچہ بولا۔

"اچھا تو پھر امی کو ہی بھیج دیجیے۔"

"جی وہ شاپنگ کیلئے بازار گئی ہیں۔"

اچھا منیر بھائی جان تو ہوں گے ہی؟"

"جی نہیں وہ کل سے فیصل آباد گئے ہیں۔"

"اچھا تو پھر باجی کو ہی بلا دیں۔"

"جی وہ اپنی سہیلی کے گھر گئی ہیں۔"

"تو پھر تم گھر میں کیا کر رہے ہو؟" بوڑھا غصے سے بولا۔

بچہ بولا۔ "میں گھر میں کہاں ہوں یہ میرے دوست کا گھر ہے اور میں یہاں کیرم کھیلنے آیا ہوں۔"

مظہر حسین چشتی، خانیوال

●

گاہک:۔ گھی کتنے روپے کلو ہے۔

دکاندار:۔ ساٹھ روپے کلو

گاہک:۔ پچیس پیسے کا دے دو۔

دکاندار:۔ سامنے ڈبا پڑا ہے۔ اس کو پانچ منٹ ہاتھ لگا سکتے ہو۔

ارم بیلا علی زئی، ڈی آئی خان

●

ایک بھکاری نے بازار میں کسی عورت سے پیسے مانگے۔ تو اس عورت نے حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ شرم نہیں آتی بھیک مانگتے ہوئے، اچھے بھلے، ہٹے کٹے تو ہو۔ اور ہاتھ پاؤں بھی سلامت ہیں۔

بھکاری نے تلملا کر کہا، "تو کیا چند سکوں کی خاطر اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا لوں؟"

اکرام حسین، مورگاہ

●

ایک عورت بڑی پریشان حالت میں ڈاکٹر کے پاس آئی اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہنے لگی۔ "ڈاکٹر صاحب دیکھیں میری بیٹی کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ آنکھیں گھوم گئیں ہیں چہرہ عجیب طریقے سے کھنچ گیا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب (اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد):۔ "بچی کو کچھ نہیں ہوا لیکن براہ کرم اس کی پونی ٹیل ڈھیلی کر دیں۔"

شبر علی چنگیزی، لاہور

●

ایک صاحب گھبرائے ہوئے آئے اور بیوی سے بولے "بیگم میں دفتر سے آ رہا تھا کہ راستے میں ایک گدھا۔۔۔"

اتنے میں ان کی بچی بول اٹھی "امی! ثمینہ نے میری گڑیا توڑ دی ہے"

شوہر نے پھر کہنا شروع کیا "ہاں تو بیگم میں کہہ رہا تھا راستے میں گدھا۔۔۔"

اتنے میں ان کا لڑکا بولا "امی نادیہ نے میری کار خراب کر دی ہے"

بیوی جھلا کر بولی "خدا کے لیے چپ ہو جاؤ! مجھے گدھے کی بات سننے دو"

اظہر حسین، خانیوال

(درج بالا لطیفہ ارسال کرنے پر اظہر حسین کو تین ماہ کے لیے اعزازی دوست ارسال کیا جائے گا)

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.javanadab.com)

بقیہ۔۔۔سلامتی

پولیس اسٹیشن اطلاع کر دی تھی چھوٹے کی گواہی اور دوسرے چند اہم ثبوت ملنے پر وہ سبھی گرفتار ہو گئے۔ اسلم بھائی کار چلاتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم تھے۔

آپ کیا سوچ رہے ہیں بھائی جان؟

میں سوچ رہا ہوں کہ جب ہم گھر آنے کے لئے نانی اماں سے اجازت لے رہے تھے تو انہوں نے اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا کہ سفر رات کا مت کرو صبح چلے جانا۔۔۔ انہوں نے لاکھ کہا مگر ہم نے ایک نہ سنی اور جانے پر بضد رہے مجبور آ انہوں نے اجازت دے دی مگر جاتے ہوئے دعا بھی دی کہ خدا تم تینوں کو اپنی حفاظت میں رکھے اور ہر مشکل سے بچائے۔۔۔ اسلم بھائی دھیمے لہجے میں بولے۔۔۔ میں سوچ رہا ہوں کہ ہمیں اپنے بزرگوں کی باتوں پر فوراً عمل کرنا چاہیے ان کی باتوں کے پیچھے ضرور کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ ہمیں ضد میں نہیں رہنا چاہیے ان کی دعاؤں میں بہت تاثیر ہوتی ہے یہ ان کی دعا کا ہی اثر تھا کہ ہم بہت بڑی آفت سے بچ گئے۔

بھائی جان۔۔۔ آئندہ ہم اپنے بڑوں کی باتوں کو نظرانداز نہیں کریں گے ان کی باتیں مان کر ہم سو فیصدی فائدے میں ہی رہیں گے نقصان میں نہیں۔۔۔ اعجاز بولا۔

امجد نے کہا۔۔۔ اور ان کی دعائیں بھی لیتے رہیں گے۔

یاد رکھو کبھی بھی غصے میں اپنے بڑوں کی باتوں کو مت جھٹلاؤ یہ تم لوگوں کے نقصان میں ہے۔ اسلم بھائی بولے اور کار دوسری سڑک پر ڈال دی۔

———— o ————

بقیہ۔۔۔روشنی

ایک طرف وڈیروں، خانوں چوہدریوں اور سرداروں پر مشتمل ایک چھوٹی سے اقلیت ہے۔ جو زمینی وسائل کے بڑے حصوں پر قابض ہے جبکہ دوسری طرف مزارعوں، کسانوں، کھیت مزدوروں، دستکاروں اور کاریگروں کی بہت بڑی اکثریت ہے جو دست و بازو کی محنت سے رزق حلال کمانے اور با عزت زندگی بسر کرنے کی خواہش مند ہے۔ زمین کی نامنصفانہ تقسیم کے نظام کو برقرار رکھنے کے لئے جاگیرداری رسم و رواج اور روایات نے معاشرے میں دوسری ناہمواریاں پیدا کرنے کے ساتھ انسانی عزت و وقار کو بھی پیشوں اور ذاتوں کے خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ اس سلسلے میں ہاتھ سے کام کرنے والوں کی بے حرمتی نمایاں ہے۔ ذلت کا یہی وہ ناسور ہے جس سے نجات پانے کے لئے مولوی کرم داد اپنے بیٹے کا پیشہ تبدیل کرنا چاہتے تھے حالانکہ جاگیرداری نظام سے نجات کا صحیح راستہ تو یہ ہے کہ پیشے کی بجائے نظام تبدیل کرنے کا سوچا جائے۔ پیشے تو انسان کی سماجی ضرورت ہیں اور دستکار اور کاریگر تو بطور خاص اللہ اور اس کے رسول کو بہت عزیز ہیں۔

○

وقت بہت تیزی سے گزر گیا ہے۔ ہماری نظروں کے سامنے منظر تو وہی پینتالیس سال پرانا ہے مگر کردار نیا ہے۔

ابھی بہت سویرا ہے۔ گاؤں پوری طرح نہیں جاگا۔ یکم مئی کا سورج طلوع ہونے کو بے تاب ہے۔ کسی کی کٹیا سے لالٹین کی مدھم روشنی جھانک رہی ہے۔ ایک بزرگ کاریگر عبدالکریم اللہ کے حضور سربسجود ہے۔ مگر وہ پیشہ بدلنے کی بجائے غلط نظام بدلنے کے لئے اللہ سے دعاگو ہے۔

مولوی کرم داد سے عبدالکریم تک پاکستانی دستکاروں اور کاریگروں کے ہاں سوچ اور شعور نے ایک بہت بڑا قدم آگے بڑھایا ہے۔ شاید یہی یوم مئی کی حقیقی روح ہے۔

———— o ————

بقیہ۔۔۔ہونہار بیٹا

استاد کی اس رائے کے باوجود بھی ان کی والدہ کی رائے میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا بلکہ وہ بڑے یقین کے ساتھ کہا کرتی تھیں کہ "دیکھ لینا ایک وقت ضرور آئے گا کہ جب میرا یہ بیٹا بڑے بڑے کارنامے انجام دے گا، تو لوگ میرے اس بیٹے پر رشک کیا کریں گے۔"

آپ سوچتے ہوں گے کہ یہ بیٹا کون تھا؟ جی ہاں۔ یہ ہونہار بیٹا جس نے بعد میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے قائداعظم محمد علی جناح تھے۔

———— o ————

نئے قلمکار

یہ صفحات نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لیے مخصوص کیے گئے ہیں۔ آپ بھی کوشش کریں اور اپنی تحریریں ہمیں بھیجیں۔ (ادارہ)

جھولا - محمد آصف محمود، راولپنڈی

یتیم خانے کے لان میں افسردہ چہروں والے بچے خاموش سر جھکائے بیٹھے ہیں سوائے ایک بچی کے جو جھولے کے پاس کھڑی آسمان کی طرف دیکھتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ رونا شروع کر دیتی ہے۔ منتظم اعلیٰ اپنا نظر کا چشمہ اتار کر رومال سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ڈال دیتے ہیں رجسٹر الماری میں رکھ کر باہر نکلتے ہیں بچوں کو دیکھ کر ان کے منہ سے آہ نکل جاتی ہے وہ سوچتے ہیں کیسے ننھے پیارے پیارے بچے ہیں ان کے تو کھیلنے کودنے کے دن ہیں ان پر یہ مصیبت کہ والدین بچھڑ گئے۔ یہ سوچتے ہوئے ان کی پلکیں بھیگ جاتی ہیں وہ سب بچوں کو باری باری پیار کرتے ہیں پھر ننھی کی طرف آتے ہیں ارے بیٹا آپ رو رہی ہیں نہیں بیٹا روتے نہیں ہم آپ کو جھولا جھولائیں گے آپ کو ٹافی دیں گے یہ کہتے ہوئے وہ ننھی شازیہ کو اپنی گود میں بھر لیتے ہیں پیار کرتے ہیں اور اسے جھولے میں بٹھا کر جھولا دیتے ہیں۔ شازیہ کے چہرے پر مسرت کی لہر آتی ہے تو وہ خوشی سے کھل اٹھتے ہیں۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کی طرف جھکنے لگا تو تمام بچوں کو کمروں میں جانے کی ہدایت کرنے کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے۔ شام کو ننھی شازیہ بہت اداس تھی تمام بچوں نے رات کا کھانا کھایا اور سونے کے لیے لیٹ گئے ننھی کو نہ جانے کب نیند نے اپنی گود میں لیا خواب میں ننھی نے دیکھا اسکا گاؤں والا گھر ہے اسکی ماں لکڑیوں والے چولھے پر کھانا تیار کر رہی ہے وہ پاس بیٹھی جلتی لکڑیوں کو دیکھ رہی ہے اس کا باپ گھر میں داخل ہوتا ہے وہ شہر سے تازہ سبزیاں اور پھل لایا ہے وہ پیار سے اسے بلاتا ہے۔ اور پھلوں کا شاپنگ بیگ اسکے حوالے کر دیتا ہے۔ وہ تھیلا ماں کے پاس رکھ دیتی ہے اور پوچھتی ہے ابو میں آپ کے ساتھ دریا پر مچھلیاں پکڑنے جاؤں۔ کیوں نہیں شازی بیٹا میں تمہیں آج لے کر جاؤں گا لیکن پہلے اپنی امی سے کہو ہمیں کھانا کھلا دیں۔ بہت تیز بھوک لگی ہے مچھلیاں پکڑ کر اچھلتی کودتی واپس آتی ہے دوسرے دن بارش شروع ہو گئی دو دن لگاتار بارش ہوتی رہی تو دریا کی موجیں بپھر گئیں اور آبادی کی طرف چڑھ آئیں ہر طرف پانی پانی ہو گیا۔ وہ ماں باپ کے ساتھ چھت پر بیٹھی تھی پانی ہر چیز کو بہائے لے جا رہا ہے پانی کا ریلہ اتنا بڑھا کہ اسے کچھ ہوش نہ رہا۔ جب ہوش آیا تو خاکی وردی والے اس پر جھکے ہوئے تھے امی ابو اس نے ہوش میں آتے ہی کہا۔ بیٹی جب آپ ٹھیک ہو جائیں گے تو وہ آپ کو ملنے آئیں گے۔ یہ خواب دیکھتے ہی وہ چیخ مار کر اٹھ بیٹھی وہ اونچی آواز میں پکارنے لگی امی ابو چپ کرو اور سو جاؤ محافظ عورت نے اسے جھڑکا اور وہ سہم کر چپ ہو گئی۔

دوسرے دن کوئی گیارہ بجے کا وقت تھا صادق صاحب اپنے بچے کے ہمراہ یتیم خانے پہنچے وہ ننھے بچوں کے لیے بہت سے تحفے لائے تھے۔ منتظم اعلیٰ کے دفتر میں بیٹھے کہہ رہے تھے کہ میں ایک بچہ گود لینا چاہتا ہوں لیکن آپ کو تو خدا نے تین بیٹے عنایت کیے ہیں۔ پھر آپ کیوں کسی اور بچے کو گود لینا چاہتے ہیں منتظم اعلیٰ نے حیرت سے پوچھا۔

کیا مصیبت میں دوسروں کی مدد کرنا ہمارا فرض نہیں ہے یہ ننھے پھول تو ہماری شفقت کے حقدار ہیں صادق صاحب نے جواب دیا بہت اچھی بات ہے خدا آپ کو اسکا اجر دے گا آئیے میں آپ کو بچوں کے پاس لے چلوں منتظم اعلیٰ نے کہا اور وہ باہر نکل آئے سامنے بچے لان میں خاموش بیٹھے تھے لیکن ننھی شازیہ جھولے کے پاس کھڑی آنسو بہا رہی تھی صادق صاحب اس کے پاس آئے شفقت سے اسکے سر پر ہاتھ رکھا اور بولے اس پیاری بچی کو ہم اپنی بیٹی بنائیں گے ضروری کارروائی کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئے مسز صادق ننھی شازیہ سے مل کر بے حد خوش ہوئی اس نے اچھے اچھے کھانے ننھی کے لیے پکائے۔ اس طرح وقت گزرتا رہا شازیہ سکول میں داخل کروا دی گئی وہ بہت لائق بچی تھی تمام ٹیچر اس کی بے حد تعریف کرتی تھیں گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں۔ سب مری گھومنے گئے خوب جی بھر کر سیر کی۔ ایک دن شازیہ گھومتی ہوئی ایک گاؤں میں جا پہنچی جہاں اس نے ایک آدمی کو اپنی بیٹی کو جھولا دیتے ہوئے دیکھا تو اسے اپنے ماں باپ یاد آ گئے اس نے رونا شروع کر دیا صادق صاحب ڈھونڈتے ہوئے وہاں آ پہنچے انہوں نے اسے پیار کیا اور جھولا جھولایا پھر مسکراتے ہوئے اسے اٹھا کر واپس لے آئے۔ ننھی شازیہ کی مسکراہٹ دیکھ کر تمام پھول مسکرا رہے تھے

———— o ————

گولے گنڈے والا۔ اسما ہارون، کراچی

ٹن۔۔ٹن۔۔ٹن۔۔! ۔۔۔ گھنٹی کی مانوس آواز سنتے ہی گلی کے اکثر گھروں سے مختلف عمروں کے بچے باہر نکل آئے۔ ایک عجیب دل خوش کن منظر تھا۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی تھیں۔۔۔۔۔

"عبدل بھائی! پہلے مجھے دیں!"

"نہیں! پہلے مجھے! میں پہلے آیا!"

"ارے! دھکا کیوں دیتے ہو؟ بڑے آئے داداگیر کہیں کے!"

بس! بس! خاموش کھڑے رہو!"

"اوں۔۔اوں۔۔اوں! میرا گولا گنڈا دیا۔۔اوں۔۔"

"عبدل بھائی! پچاس پیسے تو واپس کریں!" پیاری پیاری معصوم آوازوں کے گویا فوارے سے چھوٹ رہے تھے! چھوٹے بڑے بچوں میں ننھے منے گاہک بھی شامل تھے!

تو عمر عبدل کے دونوں مشاق ہاتھ بڑی پھرتی سے چل رہے تھے! باری باری سے گولے گنڈے ہاتھوں ہاتھ لیے جارہے تھے اور فالودے کے رنگ برنگے گلاس بھی! گلی میں جیسے بہار آگئی تھی۔۔۔یہ روزمرہ کا معمول تھا!

عبدل کی ابھی عمر ہی کیا تھی۔۔۔یہی کوئی ۱۲۔۱۳ کا ہی! یہ تو اس کے پڑھنے اور کھیلنے کودنے کے دن تھے! ابھی پچھلے سال ہی تو اس کے والد کا ایکسی ڈینٹ میں انتقال ہوا تھا۔ اخباروں میں اس حادثہ کی خبر بھی چھپی تھی اور حکومتی امدادی اعلان بھی۔۔۔ مگر کہاں کی امداد و مداد۔۔ یہ سب دل بہلاوے تھے۔ اس گھر پر تو جیسے قیامت سی ٹوٹ پڑی۔۔۔وہ تو غریب عبدل کی بیوہ ماں سینے پرونے کا کام جانتی تھی تو یوں کچھ وقتی سہارا سا ہو گیا، لیکن آئے دن کی آسمان کو چھوتی مہنگائی نے ہوش اڑا کر رکھ دیے۔۔ تھوڑی معمولی سی جوڑی ہوئی رقم سے سیکنڈ ہینڈ ٹھیلا، چند بوتلیں، گلاس اور دوسرا ضروری سامان خریدا گیا اور یوں، چوتھی جماعت تک پڑھا ہوا عبدل گولے گنڈے والا بن گیا! ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے یا نہیں، یہ بات اپنی جگہ، گھر کا چولھا اگر ٹھنڈا رہے تو پھر کھائیں کیا؟ البتہ فضل خدا سے سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ روکھی سوکھی کا بندوبست بھی ہو گیا اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی نوبت بھی نہیں آئی!

"عبدل بیٹا! کیسے ہو؟!" محلے کے ایک بزرگ محمد مٹھا، شیروانی کی جیب سے رومال نکال کر اپنی رومی ٹوپی صاف کرتے ہوئے میٹھے لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ "ہاں، تو کیا سوچا تم نے میرے اس مشورے کے بارے میں؟"

"بس۔۔جی! میں کیا عرض کروں! لے دے کے یہی ایک ذریعہ ہے۔۔۔اگر سکول جانے لگوں گا تو پھر گھر کے گزارہ کا کیا ہو گا؟"

"بیٹے! اس کی فکر مت کرو اللہ تعالیٰ رازق ہے، ضرور کوئی سبب بھی بن جائے گا۔ بس، تم عزم اور ارادہ کرو۔" پھر گھڑی بھر کو سوچ کر بولے۔ "کل تو نہیں، پرسوں صبح مجھ سے آن کر ملو۔"

اور یوں، عبداللہ کا ہائی سکول میں داخلہ ہو گیا، محمد مٹھا، جو کہ شہر کے سب سے ممتاز ہائی سکول کی ہیڈ ماسٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تھے، انہوں نے عبداللہ کے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ، ماں بیٹے کے گھریلو اخراجات کی ذمے داری بھی اپنے سر لے لی!

عبداللہ نے بھی خوب خوب دل لگا کر پڑھائی کی۔ میٹرک میں اس نے شہر بھر میں ٹاپ کیا۔ اب وہ مقامی بہترین کالج کا طالب علم تھا!

وقت کو گویا پر سے لگ گئے تھے۔ پلک جھپکتے تین چار سال گزر گئے۔ محمد مٹھا اپنے کمرہ میں تصنیف تالیف کے کام میں مشغول تھے کہ بیرونی دروازے کی گھنٹی بجی اور تھوڑی دیر بعد ایک خوب رو صحت مند نوجوان ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"استاد محترم! السلام علیکم!"

"بیٹا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔"

"آپ نے مجھے پہچانا نہیں شاید؟" نوجوان بولا۔

"بیٹا! زیادہ عمر کی وجہ سے ضعف بصارت ہونا تو ضروری ہے ناں!"

"جی! میں آپ کا عبدل ہوں۔۔۔گولے گنڈے والا عبدل! بی اے کرنے کے بعد اب میں مقامی بینک میں کام کرتا ہوں!" ایک ہی سانس میں نوجوان نے اپنا تفصیلی تعارف کرا دیا!

محمد مٹھا صاحب وارفتہ ہو کر اٹھے اور اپنے دونوں شفیق ہاتھ پھیلا دیے۔۔۔اگلے ہی لمحے عبداللہ اپنے محسن کے شفقت بھرے بازوؤں کے سائبان تلے پر کیف روحانی آسودگی محسوس کر رہا تھا!

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

آخری پروگرام - انجم مبین، ڈی آئی خان

آج کے پروگرام میں پہلا انعام کراچی کے ندیم فیصل کو دیا جارہا ہے۔

ہماری جانب سے انعام حاصل کرنے پر بہت بہت مبارک باد۔۔۔۔!

اس طرح کے جملے ہم تقریباً ہر اتوار کو سنتے تھے۔ جو ریڈیو پر ایک کمرشل پروگرام کی صورت میں نشر ہوتا تھا۔ انعام کی تفصیل کچھ یوں تھی کہ انعام ہر ہفتے کسی خوبصورت اور پیارے سے خط پر دیا جاتا تھا۔ انعام کا سن سن کر ہمارے منہ میں بھی واٹر بھر آتا تھا چنانچہ ہمیں بھی انعام حاصل کرنے کا شوق بلکہ لالچ پیدا ہوئی اور کافی دیر تک علامہ اقبال کے انداز میں سوچ کر ایک آئیڈیا ذہن میں آیا۔ جس کے تحت ہم نے ایک خوبصورت سے کاغذ پر واٹر کلر سے ڈیزائن بنایا، مارکر سے فیئر کیا۔ اور فروز للغات سے چند خوبصورت سے الفاظ تلاش کر کے پروگرام کی تعریف میں لکھ دیئے تاکہ اس سے ہمارے اعلیٰ ذوق کے ساتھ ساتھ ان پر قابلیت کی دھاک بھی بیٹھ جائے۔

اب ہم نے نمائش کے لئے خط جسے بھی دکھایا اسے بہت پسند آیا۔ اب ہم نے خط ایک سوئیٹ سے لفافے میں بند کر دیا اور اتوار کا انتظار کرنے لگے تاکہ پروگرام کا ایڈریس صحیح سے نوٹ کر کے روانہ کیا جائے۔ کافی انتظار کے بعد اتوار نے اپنا چہرہ کرایا۔ اس دن ہم پروگرام شروع ہونے سے پہلی ہی ریڈیو کے سامنے بیٹھ گئے۔ لیکن کاغذ اور قلم لینا نہیں بھولے تھے۔ آخر خدا خدا کر کے انتظار کی گھڑی نے دو بجائے۔ ہمارا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ ارے یہ کیا آج پروگرام کا انداز کچھ بدلا بدلا سا ہے۔ کمپیئر نے پروگرام کچھ یوں شروع کیا۔

سامعین! آج نہ ہم آپ کو تحریریں بھجوانے کے لئے کہیں گے اور نہ خطوط، کیونکہ آج یہ ہمارا "آخری پروگرام ہے۔" آخری فقرہ ہمارے دماغ پر کسی اخروٹ کی طرح لگا اور ہماری آنکھوں کے سامنے لوڈ شیڈنگ ہونے لگی کہ ہماری ایک ہفتے کی محنت یوں پل میں ضائع ہو گئی اور وہ انعام۔۔۔۔۔ اس کے بعد بھی پروگرام میں نجانے کیا کیا ہوتا رہا لیکن ہم اس سے آگے کچھ نہ سن سکے۔ بے اختیار ذہن میں یہ شعر گونج اٹھا کہ

انعام کی جستجو میں نکلے تھے انجم
انعام تو انعام پروگرام بھی گیا

نئی خوشی - خرم طارق (جگنو) گوجرانوالہ

امی جان مجھے بھی ابو سے کہہ کر عید کے نئے کپڑے لے کر دیں۔" علی نے اپنی امی سے کہا۔ امی نے پہلے تو علی کی طرف گھورا پھر مسکرا کر بولیں علی بیٹا "ابھی تو عید میں بہت دن باقی ہیں۔" عید قریب آئے گی تو آپ کو نئے کپڑے ضرور لیں دیں گے۔ لیکن امی جان احمد نے تو کپڑے کب کے خرید لیے ہیں۔ بیٹا کہا نہ کہ خرید دیں گے اچھے بچے ضد نہیں کرتے اور علی خاموشی سے باہر نکل گیا۔ رات کو جب علی کے والد گھر آئے تو کھانا کھانے کے بعد علی کی امی بولیں۔ آج علی نئے کپڑوں کے لیے ضد کر رہا تھا۔ اچھا بابا کل لا دیں گے کپڑے بھی۔ آج علی بہت خوش نظر آرہا تھا کہ اسے اپنے لئے کپڑے اور بہت خوبصورت جوتے ابو نے لا کر دیئے تھے وہ پھولے نہ سما رہا تھا کہ اسے اپنی عمر کا ایک لڑکا نظر آیا۔ جس کے جسم پر کپڑے برائے نام تھے۔ علی جب اس کے قریب گیا تو لڑکا بے بسی اور دکھ بھری آنکھوں سے علی کو دیکھ رہا تھا۔ علی اس کے قریب ہو کر بولا۔ آپ کا کیا نام ہے تو لڑکے کو جیسے بجلی کا کرنٹ لگا ہو۔ لرزتے ہونٹوں سے بولا۔ ا۔۔۔م۔۔۔۔ امجد۔ کیا تمہارے ماں باپ تمہیں کپڑا وغیرہ پہننے کے لئے نہیں دیتے لڑکا (امجد) بولا۔ وہ کس طرح خرید کر دیں گے میں تو خود ان کے لئے کماتا ہوں۔ لڑکے نے جواب دیا۔ علی بولا۔ ایک منٹ۔ یہیں ٹھہرو میں ابھی آیا۔ تھوڑی دیر بعد علی آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک ڈبہ اور پیکٹ تھا اس نے وہ لڑکے کو پکڑایا اور کہا میری طرف سے یہ چیزیں رکھو اور خوشی سے انہیں پہن لینا۔ آج عید والے دن علی بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے والدین کو بھی بتا دیا تھا۔ علی کے والدین علی سے بہت خوش تھے اور انہوں نے علی کو دوبارہ کپڑے اور جوتے نئے خرید کر دیئے تھے۔ انہیں فخر تھا کہ ان کا بیٹا ایک نیک دل خدا ترس اور رحم دل ہے۔ علی کو اتنی خوشی تھی کہ پہلی عیدوں سے بھی زیادہ خوشی۔ ایک سچی خوشی۔ جو اللہ کی طرف سے عنایت ہوئی تھی۔

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor www.jawanadab.com)

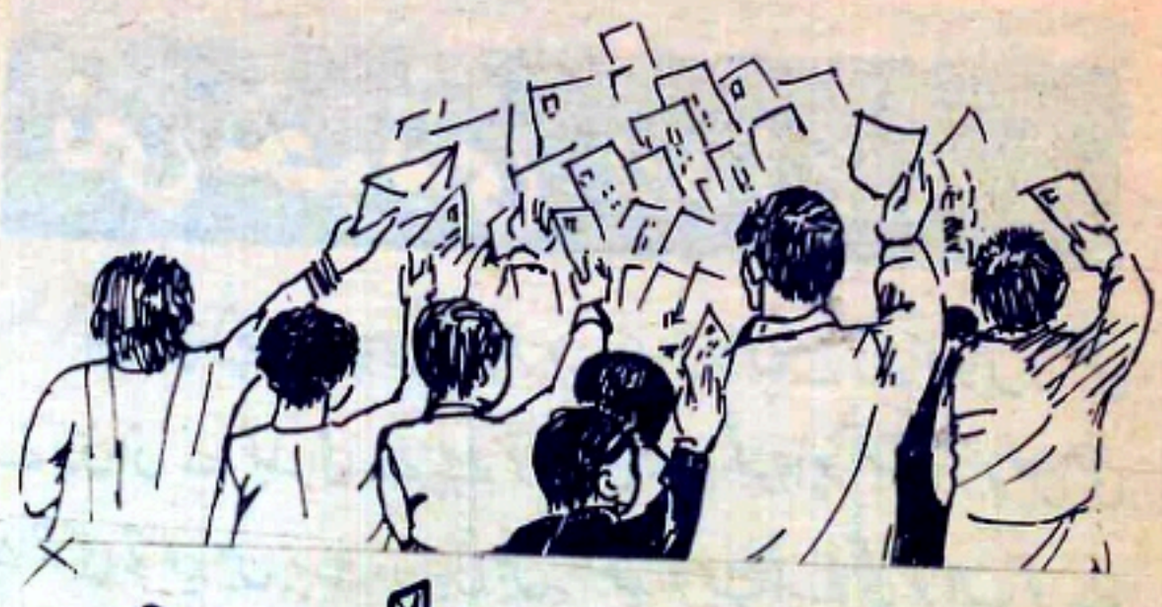

دوستانے

حقوق اطفال نمبر اپنی تمام تر رنگینیوں کے ساتھ میرے سامنے پڑا ہے اور اس کا ایک ایک لفظ میں پڑھ چکا ہوں، آپ تو پہلی ہی کاوش میں چھا گئے ہیں پہلے تو خاص نمبر نکالنا ایک بڑی بات ہے اور پھر معیار کا خیال رکھنا تو بہت مشکل ہے لیکن آپ نے نہایت ہی اچھے طریقے سے اپنے معیار کا خیال رکھا ہے۔

پرنس بادل، اوکاڑہ

اس دفعہ اپریل کے شمارے کا سرورق تو حقوق اطفال نمبر کے حوالے سے بہت ہی خوبصورت رہا۔ خصوصی نمبر نکال کر آپ نے بہت اچھا کیا باقی حقوق اطفال کے حوالے سے دوست کے اندر کی تصویریں (بچوں کی) بہت پسند آئیں یعنی سبق ہی سبق مل رہا تھا۔

اکثر مجھے اس بات کی بہت خوشی ہوتی کہ لطیفوں والے صفحے پر آپ نے میرے بنائے ہوئے کارٹون شائع کئے۔

عمران سہیل بوبی، اوکاڑہ

حقوق اطفال نمبر پڑھا پسند آیا سرورق اس نمبر کے لحاظ سے بہت بہتر رہا مگر قیمت میں ایک دم تین روپے کا اضافہ سمجھ میں نہیں آیا۔ بہرحال مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے مجھے بلیک لسٹ سے نکال دیا۔ آپ کی بڑی بڑی نوازش

کھتری محمد علی آزاد، حیدر آباد

☆ آزاد صاحب چونکہ پرچے کی ضخامت میں اضافہ ہوا تھا لہذا قیمت بڑھا دی تاہم آئندہ شمارہ آٹھ روپے میں ہی آپ کو ملے گا (ایڈیٹر)

رسالہ بہت اچھا اور معیاری تھا، کہانیاں اور لطیفے اچھے تھے، تریاق اور تاوان اچھی جا رہی ہیں۔ میں نے ایک کہانی لکھ کر بھیجی تھی لیکن تازہ شمارہ دیکھ کر دکھ ہوا کیونکہ اس میں میری کہانی شائع نہیں ہوئی تھی کیا آپ صرف اپنے رشتہ داروں کی کہانیاں شائع کرتے ہیں۔

اکرام حسین، مورگاہ راولپنڈی

☆ بھائی، آپ بھی تو ہمارے رشتہ دار ہیں نا (ایڈیٹر)

ہم سب کا دوست ماہنامہ دوست بہت ہی خوبصورت میگزین ہے۔ اس کا حقوق اطفال نمبر بہت ہی پسند آیا۔ بہت خوبصورت تحریریں پڑھنے کو ملیں۔

آصف شہزاد، بھکر

دوست ایک معیاری رسالہ ہے جسے ہم بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ اس دفعہ رسالہ بہت دیر سے ملا۔ براہ مہربانی ذہنی آزمائش کے سوالات آسان دیا کریں۔ میں ایک لطیفہ بھیج رہی ہوں۔ کیا شائع ہو جائے گا؟

(عائشہ عمر، پشاور)

☆ آپ کا لطیفہ بہت پرانا ہے لہذا ناقابل اشاعت ہے۔ آپ کوئی اور لطیفہ ارسال کریں۔ (ایڈیٹر)

مجھے دوست بہت پسند آیا ہے۔ میں اسے ہر ماہ خریدتا ہوں۔ اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں اور لطیفے ہوتے ہیں مجھے پہلی دفعہ دوست میں لطیفے بھیجنے کا موقع ملا ہے۔ میں آپ کو دو لطیفے بھیج رہا ہے مجھے امید ہے کہ آپ انہیں ضرور شائع کریں گے۔

(خالد محمود ملکہ، کھاریاں)

مارچ کا "دوست" پڑھا بے حد اچھا لگا۔ سرورق بے حد حسین تھا۔ روشنی کے سلسلے کی عمدہ تحریر تھی۔ "تریاق" کی قسط بھی پسند آئی۔ محترم اظہر نیاز کا سلسلہ وار ناول "تاوان" دلچسپ مراحل میں داخل ہو چکا ہے۔ "آؤ مسکرائیں" میں اس مرتبہ ایسے لطیفے تھے کہ مسکرانے کی بجائے کھلکھلانا پڑا۔

(شبر علی چنگیزی، لاہور)

ہم نے ماہنامہ "دوست" پہلی مرتبہ پڑھا۔ بہت پسند آیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے سالانہ خریدار بنیں۔ اس کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ قلمی دوستی کے لیے ایک کوپن بھیج رہے ہیں۔ امید ہے جلد شائع ہو جائے گا اور ہاں اگر ہم لطیفے وغیرہ لکھ کر بھیجنا چاہیں تو وہ شائع کر دیے جائیں گے یا نہیں؟

(محمد شکیب، حماد رضا، توصیف، معظم، لاہور)

☆ دوستو، آپ ماہنامہ دوست کے نام مبلغ =/92 روپے کا منی آرڈر مع کوپن بھیج دیں۔ ہم آپ کو سالانہ خریدار بنا لیں گے۔ نیز آپ لطیفے ارسال کریں۔ قابل اشاعت ہوئے تو ضرور شائع کریں گے۔

(ایڈیٹر)

"دوست" بہت اچھا اور معلوماتی رسالہ ہے۔ رسالے کا سرورق بہت اچھا تھا۔ سرورق سے لے کر آخر تک ہر چیز عمدہ تھی۔ لطائف بہت اچھے تھے۔ میری طرف سے سب دوستوں کو "عید مبارک"

(جویریہ افضال، اسلام آباد)

میں آپ کو پہلی مرتبہ خط لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اس کو ضرور شائع کریں گے۔ میں آپ کا رسالہ بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ کے رسالے دوست میں بہت اچھی اچھی کہانیاں اور معلومات ہوتی ہیں۔

(رحمت اللہ، اللہ نواز، ڈیرہ اسماعیل خاں)

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor, www.jawanadab.com)

ہم نے ماہنامہ دوست کا شمارہ خریدا، پڑھ کر محسوس ہوا کہ یہ شمارہ بہت زبردست ہے۔ اسی اشتیاق کی وجہ سے ہم لوگ آپ کے سالانہ خریدار بننا چاہتے ہیں۔ امید ہے آپ ہماری گزارش پر غور کریں گے۔ علاوہ ازیں ڈاک خرچ اور دیگر اخراجات بھی تحریر کریں۔

گزشتہ شمارے بھی حسب وعدہ مفت ارسال کریں۔

(شجاع حیدر مسعود، کوئٹہ)

☆ آپ مبلغ =/92 روپے بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ ارسال کر دیں تاکہ آپ کو سالانہ خریدار بنایا جائے۔ دوست کی پسندیدگی کا شکریہ۔

(ایڈیٹر)

اپریل کے شمارے کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ حقوق اطفال نمبر دیکھ کر حیرت ہوئی۔ واقعی بے حد لاجواب تھا۔ میری طرف سے مبارک باد قبول کریں۔ ایڈیٹر صاحب! میری بھیجی ہوئی چار کہانیوں کا کیا بنا؟ اور ہاں! آجکل آپ ناقابل اشاعت والا کالم نہیں دے رہے۔ اسکی کیا وجہ ہے؟

(سکندر بٹ، گوجرانوالہ

☆ باری آنے پر آپ کی ایک کہانی شائع کر دی جائے گی۔

(ایڈیٹر)

ماہنامہ دوست کا نواں شمارہ ہاتھ میں اٹھائے یہ سوچنے میں مصروف ہیں کہ جب اس کا پہلا شمارہ پڑھا تو میرے ذہن میں بھی نہ تھا کہ اتنی جلدی یہ رسالہ مارکیٹ میں اپنا ایک الگ مقام بنالے گا۔ "حقوق اطفال" کا سرورق تو بہت اچھا تھا مگر دوست کی ضخامت کچھ اتنی زیادہ نہیں تھی جس کی مجھے توقع تھی۔ گلزار آفاقی صاحب کی "موسم بہار کی کونپلیں اور شگوفے" پڑھ کر احساس ہوا کہ واقعی بچوں کے کیا حقوق ہیں۔ احمد داؤد کا فیچر "بچوں کے حقوق اور بدحالی کا ایک جائزہ" زبردست رہا۔

عمران خان یوسفزئی، پشاور

آج ہی دوست سے ملاقات ہوئی۔ میں ہر ماہ دوست کے ساتھ باقاعدگی سے ملاقات کرتا ہوں۔ اٹکل میں دوست کا سالانہ خریدار بننا چاہتا ہوں کیا کروں ضرور بتائیے گا۔

طاہر اقبال، کھاریاں

☆ طاہر اقبال صاحب:- آپ مبلغ بانوے روپے بذریعہ منی آرڈر یا بنک ڈرافٹ دوست کے پتے پر ارسال کر دیں۔ ہم آپ کو سالانہ خریدار بنالیں گے۔ (ایڈیٹر)

حقوق اطفال نمبر پڑھا۔ بہت مزہ آیا۔ کہانیاں لطیفے اور نظمیں بہت مزے دار تھیں۔ میں نے آپ کو ایک کہانی (نالائق دوست) ارسال کی تھی۔ وہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔ دوسرا یہ کہ میرا (Hand writing) خراب ہے۔ میں کیا کروں۔

طاہر محمود خان، چارسدہ

☆ طاہر صاحب:- آپ کسی استاد کے پاس بیٹھ کر اپنی لکھائی درست کروائیں اور خوب محنت کریں۔ (ایڈیٹر)

ماہنامہ دوست کا حقوق اطفال نمبر پڑھا بے حد پسند آیا کہانیوں میں ظہیر اور اس کے ابا جی فرسٹ پرائز، نظمیں بھی اچھی لگیں۔ انکل میرے لطیفے کا کیا بنا۔

سید ارشد شاہ، لی مارکیٹ، کراچی

اپریل کا دوست پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ سرورق بھی خوبصورت تھا۔ کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔

محمد ممتاز شان، اکوڑہ خٹک

حقوق اطفال نمبر نے اس بار دوست کو چار چاند کے بجائے آٹھ آٹھ چاند لگا دیئے۔ "خصوصی کہانی" بہت پسند آئی۔ انکل ذہنی آزمائش کے سوال دیکھ کر تو رنگ فق ہو گیا۔ ہم پر کچھ رحم کیجئے۔ انکل یہ بتائیے کہ میں اپنی نظم چھپنے کا انتظار کروں یا نہیں؟

حمیرا سعدیہ حشمت، پشاور

☆ دوست کی پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی نظم ناقابل اشاعت ہے۔

(ایڈیٹر)

"دوست کا حقوق اطفال نمبر نظر نواز ہوا۔ بچوں کے مسائل اور دیگر کوائف کے متعلق امور سے آگاہی ہوئی۔ اس لحاظ سے یہ شمارہ ایک بہترین کوشش ہے۔

نارش گلزار علی، کراچی

"دوست" پہلی دفعہ نظر سے گزرا۔ اور یہ رسالہ اتنا اچھا لگا کہ "دوست" سے دوستی کر لی ہے اور اب اس کے آئندہ شمارے کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ خاص کر کے سرورق تو بہت خوبصورت ہے۔

راشد اشرف اعوان، حیدر آباد

اپریل کا شمارہ موصول ہوا۔ سرورق نے تو رسالے کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ تمام کہانیاں مزیدار تھیں ان میں سے مجھے ظہیر اور اس کے ابا جی، وطن کی خاطر، جل مسان، طوطا کہانی اور میں نے کیا جرم کیا پسند آئیں۔

خالد محمود طاہر ملکہ، گجرات

آپ کا رسالہ پہلی دفعہ پڑھا، بہت پسند آیا۔ آپ کے رسالے کی عمر تو ابھی چھوٹی ہی نظر آتی ہے لیکن ترتیب و تزئین سے بڑے سے بڑا رسالہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

رانا اصغر علی انجم، خوشاب

آپ نے خاص نمبر کے بارے میں بتایا ہی نہ تھا۔ آپ نے پہلا خاص نمبر نکالا ہے اور بہت خوب نکالا ہے۔ اس دفعہ تو ابا جان نے بھی پورا رسالہ پڑھا اور بہت پسند کیا۔

طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ

میں باقاعدگی سے "دوست" پڑھتا ہوں لیکن خط لکھنے کی جسارت پہلی دفعہ کر رہا

Kashif Bashir Kashif - 0333-5911300 (Editor www.jawanadab.com)

ہوں۔ مجھے ماہنامہ دوست .بہت پسند ہے۔ اس میں تمام کہانیاں لطائف معلومات، نظمیں، .بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ اس دفعہ بیگم ثاقبہ رحیم الدین کی باتیں .بہت اچھی لگیں۔

اے نثار صدیقی، جنڈانوالہ

اس دفعہ "دوست" نہایت خوبصورتی سے مارکیٹ میں ملا۔ "عنوان بتائیے" کے سلسلہ میں آپ نے مجھے چھ ماہ کے لیے "دوست" دینے کا اعلان کیا۔ مگر حیرت ہے کہ ابھی تک مجھے "اعزازی دوست" کیوں ارسال نہیں کیا گیا۔ میرا نام "حماد الدین گورایہ" نہیں ہے۔ تصحیح فرمالی جائے۔ "حقوق اطفال نمبر" شائع کرنے کا بے حد شکریہ۔

چوہدری حمادالرحمن گورایہ، گوجرانوالہ

میں پچھلے تین ماہ سے آپ کا رسالہ "دوست" پڑھ رہا ہوں۔ میں نے آج تک پاکستان کے تمام بچوں کے رسالے تقریباً پڑھے ہیں لیکن یہ رسالہ من کو کچھ ایسا بھایا کہ میں اس کا دیوانہ ہو گیا۔ جہاں اس رسالے کی .بہت زیادہ خصوصیات ہیں وہاں کچھ خامیاں بھی ہیں۔ مثلاً۔

(۱) رسالے میں تنقیدی خطوط کم اور تعریفی خطوط کو زیادہ جگہ ملتی ہے۔ (۲) رسالے میں پڑھنے والوں کی تجاویز شامل نہیں کی جاتیں۔ (۳) رسالے کے صفحات کی تعداد کم ہے۔ (۴) رسالے کی کتابت صحیح نہیں ہوتی یعنی کئی غلطیاں ہوتی ہیں۔ (۵) بھکر کے پڑھنے والوں کو جگہ زیادہ اور انعامات دیئے جاتے ہیں۔

طارق عزیز ناز، ساہیوال

☆ آپ کی تنقید سر آنکھوں پر۔ ہم اسے مزید .بہتر بنانے کے لیے کوشاں رہیں گے۔

(ایڈیٹر)

دوست کا شمارہ اپریل 93 عید الفطر سے قبل ہی مارکیٹ میں آگیا۔ بلاشبہ بچوں کا یہ رسالہ بڑے بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھ سکتے ہیں۔ آپ نے ستار طاہر صاحب کی سانحہ ارتحال کی خبر شائع نہیں کی۔ غالباً وہ پرچہ شائع ہونے کے بعد ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائیں۔ (آمین)

محمد ایوب منظر، لاہور

میں نے دوست کو پہلی بار پڑھا اور واقعی اسے ایک مخلص دوست سے بھی بڑھ کر پایا۔ اپریل کے دوست میں مجھے موسم .بہار کی کونپلیں اور شگوفے، وطن کی خاطر، ظہیر اور اس کے ابا جی اور بچوں کے حقوق کے حوالے سے تمام تحریریں پسند آئیں

محمد اسحاق وردگ، پشاور

دوست نے حقوق اطفال نمبر میں دوسرے رسالوں سے بازی جیت لی میری طرف سے اتنا اچھا نمبر نکالنے پر مبارک باد۔ ٹائیٹل تو رسالے کی جان تھا۔

جاوید اقبال کنہوروی، حیدر آباد

ماہ اپریل کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ ملا۔ کچھ تحریروں نے کافی متاثر کیا جن میں جابر بن حیان، میں نے کیا جرم کیا اور اس طرح تو ہوتا ہے قابل ذکر ہے اور تاوان کی آخری قسط پسند آئی۔

محمد بلال، سوات

اپریل کا دوست اپنے خوبصورت سرورق سے آراستہ ملا۔ روشنی .بہت اچھا سلسلہ ہے۔ تریاق کی قسط نمبر 7 .بہت اچھی رہی۔ نیا سلسلہ "مجھے شکایت ہے" شروع کر کے آپ نے ہمارے دل موہ لیے ہیں۔

پرنس فرحت، کراچی

آپ کا پیارا سا محبت نامہ ملا اور دوست تحفتاً ملا تو خدا کی قسم .بہت خوشی ہوئی۔ ایک تحریر بھیج رہا ہوں۔ اس لیے کہ آپ حوصلہ افزائی کریں۔

شاہد علی، کینیڈا

اپریل کا خصوصی نمبر پڑھا۔ سرورق انتہائی دیدہ زیب اور جاذب نظر تھا اور مفہوم کی مناسبت سے تھا۔ تمام کہانیاں مزیدار تھیں لطائف بھی اچھے تھے۔ آپ نے میری کہانی "نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے" شائع کر کے میرا دل جیت لیا۔

محمد عاقل احمد خاں، سکھر

"دوست" کا حقوق اطفال پڑھ کر محسوس ہوا کہ واقعی حقوق اطفال نمبر ہے۔ اس ماہ کا ٹائیٹل بھی انتہائی موزوں اور خوبصورت تھا۔

سید فرحان فاروق، لاہور

اس دفعہ دوست کا سرورق پہلے سب شماروں سے .بہتر تھا۔ حقوق اطفال نمبر .بہت پسند آیا۔ کہانیاں اور لطیفے .بہت ہی اچھے تھے۔ میرا یہ خط آپ دوست نامے میں شائع کر دیں تاکہ مجھے یقین ہو جائے کہ میں بھی دوست سے دوستی کرنے کے قابل ہوں۔

شاہد احمد، کھاریاں

اپریل کا شمارہ ملا۔ سرورق .بہت اچھا لگا۔ روشنی میں موسم .بہار کی کونپلیں اور شگوفے .بہت اچھا لگا۔ بیگم ثاقبہ رحیم الدین کا انٹرویو .بہت اچھا تھا۔ اکثر کتابوں میں جابر بن حیان کا نام سنا تھا۔ مگر آپ نے ان کے حالات زندگی بتا کر .بہت اچھی بات کی۔

شمائلہ امداد راولپنڈی

جگہ کی کمی کے باعث درج ذیل دوستوں کے خط شائع نہیں کیے جا سکے۔

چوہدری عاطف شہزاد، راولپنڈی۔ حمیرا سرور، گوجرانوالہ۔ سید فرحان فاروق، لاہور۔ شہزادہ فضل دین، ڈی آئی خان۔ چوہدری محمد قاسم گورایہ، گوجرانوالہ۔ فرخندہ جبین، مردان۔ محمد بلال حسنین، لاہور۔ لطیفیہ ابراہیم، کراچی۔ پرنس جہانگیر، سندھ۔ مدثر عنایت، واہ کینٹ سائرہ رحمن، سرگودھا۔ غنیزہ نصیر، لاہور۔ امان اللہ، عظمیٰ نورین، اوکاڑہ۔ حنیف ابراہیم، کراچی۔ غفار فاروق، جنڈانوالہ اور مبین احمد بھکر۔

Kashif Bashir Kashif | 0333-6912300 (Editor, www.javanadab.com)

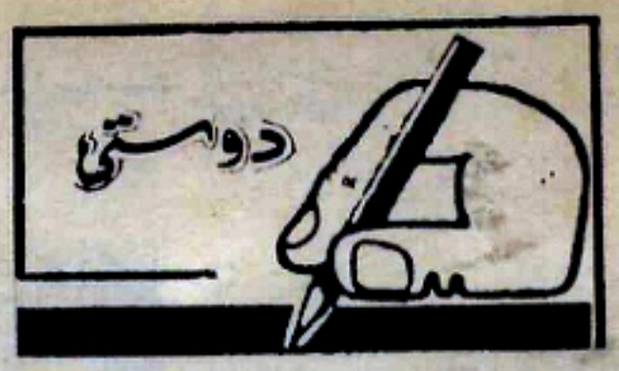

اسماعیل حمید بلوچ

۱۶ سال

قلمی دوستی

معرفت یعقوب پان ہاؤس

نیو کمہار واڑہ، لیاری۔ کراچی

محمد فاروق اصغر

۱۲ سال

کرکٹ کھیلنا، مطالعہ

جماعت ششم بی، گورنمنٹ ہائی سکول، میانوالی

آصف محمود

۱۷ سال

قلمی دوستی، مصوری

مکان - ۳۵۶، محلہ نیا آڑہ۔ کھاریاں

محمد ایوب عثمان

۱۷ سال

ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، قلمی دوستی

مکان ۴۱۹۶، قائد آباد، پھلیلی، حیدر آباد

عرفان مجید

۱۴ سال

کرکٹ کھیلنا۔ مطالعہ

ٹھیکیدار عبدالمجید، گلی۔ ۲، فوجی کالونی، پیرودھائی، راولپنڈی

وحید عامر

۱۷ سال

قلمی دوستی، کہانیاں لکھنا

۳۴۔ گلستان کالونی، بورے والہ (وہاڑی)

عدیل سہروردی

۱۴ سال

کرکٹ کھیلنا، کشتی دیکھنا

جی-۶- حسن سنٹر، بلاک - ۱۶

گلشن اقبال، کراچی

سلیم جارج

۱۱ سال

کرکٹ کھیلنا

مکان - ۲۰- گلی ۱۰- این- ڈبلیو راولپنڈی

پرنس حماد رضا

۱۳ سال

جوڈو کراٹے، جانور پالنا

ایل - ۵۳، ماڈل کالونی، گلبرگ III، لاہور

فرحان اللہ لودھی

۱۹ سال

کرکٹ۔ قلمی دوستی

اختر جنرل سٹور، بازار توپانوالہ، ڈی آئی خان

حفیظ الرحمان منگی

۱۵ سال

مطالعہ

منج میر محلہ، شکار پور

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor; www.jawanadab.com)

قلعہ روہتاس کی کہانی

منیر احمد خان

،ولپنڈی سے لاہور آتے جاتے اکثر قلعہ روہتاس کا بورڈ دیکھنے میں آتا ہے۔ ب کی بار جو ہم لاہور چھٹیاں گزارنے کے بعد اپنے مدرسے واپس راولپنڈی آئے ہمیں یہ جستجو ہوئی کہ سرراہ جو بورڈ دینہ میں قلعہ روہتاس لکھا ہے وہ کیا ہے۔

ہم سب نے آپس میں ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ فرید نے بڑے پرجوش لہجے میں سینے پر ہاتھ مار کر کہا میں بتاتا ہوں

قلعہ روہتاس فرید خان نے بنوایا تھا۔

شیر خان سے رہا نہ گیا۔ اس نے جیسے ہی فرید بات ختم کر چکا ذرا تامل کے بعد سب کو مخاطب کر کے کہا کہ فرید خان نے شیر مارا تھا۔

اب سب بچے ایک دم خوف زدہ سے ہو گئے۔ شیر خان نے کہا کہ فرید خان کے مالک پر جنگل میں شیر نے حملہ کر دیا فرید خان نے آگے بڑھ کر شیر کو ختم کر دیا۔

سب بچوں نے شیر کے مارے جانے پر تالیاں بجائیں۔ تالیوں کی گونج میں شیر خان نے کہا کہ مالک نے فرید خان کی اس بہادری کی بنا پر اسے شیر خان کا لقب عطا کیا۔

اور آپ کو شیر خان کیوں کہتے ہیں

ایک بچہ فوراً سوال کر بیٹھا۔

یہ تو مجھے معلوم نہیں

دوسرے نے لقمہ دیا کہ نام تو ماں باپ رکھتے ہیں اس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

آپ کا نام تو چاند کی طرح ہے اور آپ کے چہرے کا نور چاندنی کی طرح ٹھنڈا اور اچھا ہے لیکن پھر بھی لوگ آپ کو چاند کیوں کہتے ہیں۔

چاند۔۔۔ "میری دادی اماں کہتی ہیں کہ روہتاس کا ایک حاکم چاند ہوا کرتا تھا جب روہتاس کا قلعہ بنا تو سب سے پہلے چاند ہی حکمران تھا۔

تمہاری دادی اماں کو تو بہت علم ہے

ہاں

وہ ہر رات سونے سے پہلے کہانیاں سنایا کرتی ہیں۔

اچھا

تو ہمیں بھی کوئی کہانی سناؤ

ہاں رات ہی دادی اماں نے لوریاں دیتے ہوئے لوناں بادشاہ زادی کی کہانی سنائی تھی

لوناں بادشاہ زادی

ہاں لوناں بادشاہ زادی

کیا وہ نمک سے بنی ہوئی تھی

نہیں۔۔۔

کوہستان نمک کی شہزادی ہونے کی بنا پر اسے لوناں بادشاہ زادی کہا جاتا ہے اسکے باپ نے اس سے پوچھا میری بیٹی مجھے کتنا چاہتی ہے بیٹی نے جواب دیا جتنا نمک کو یعنی نمک کے بغیر زندگی ممکن نہیں اس لئے اسے لوناں بادشاہ زادی کہا جانے لگا۔

لوناں بادشاہ زادی کی کہانی کیا ہے۔

ہاں۔۔

دادی امی کہتی ہے کہ لوناں بادشاہ زادی کی سلطنت شمال مغرب میں ات تک اور مشرق میں دریائے چناب تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسکی حدود سلطنت کے مشرق میں راجہ رسالو اور مغرب میں راجہ سرکپ حکمران ہوا کرتا تھا راجہ سرکپ نے لوناں بادشاہ زادی کے باپ کے مرنے پر بجائے پرسہ دینے کے روہتاس پر حملہ کر دیا سیالکوٹ کے راجہ رسالو نے لوناں بادشاہ زادی کی فوجوں کی مدد سے سرخ ڈھن کے مقام پر راجہ سرکپ کی فوجوں کو تہس نہس کر دیا۔ میدان جنگ میں اتنا خون بہا کہ ایک ڈھن سرخ خون کی بھر گئی۔ اس سے نام سرخ ڈھن نکلا جو آج بھی سوہاوہ سے چکوال جاتے ہوئے گیارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر ترکی کی پہاڑیوں میں ایک گاؤں ہے

نہیں بھائی

ہمیں تو روہتاس قلعہ کے متعلق بتاؤ

بقیہ۔ صفحہ 46 پر

تاریخ اسلام کا ایک ورق

قول

شاہد انور شیرازی

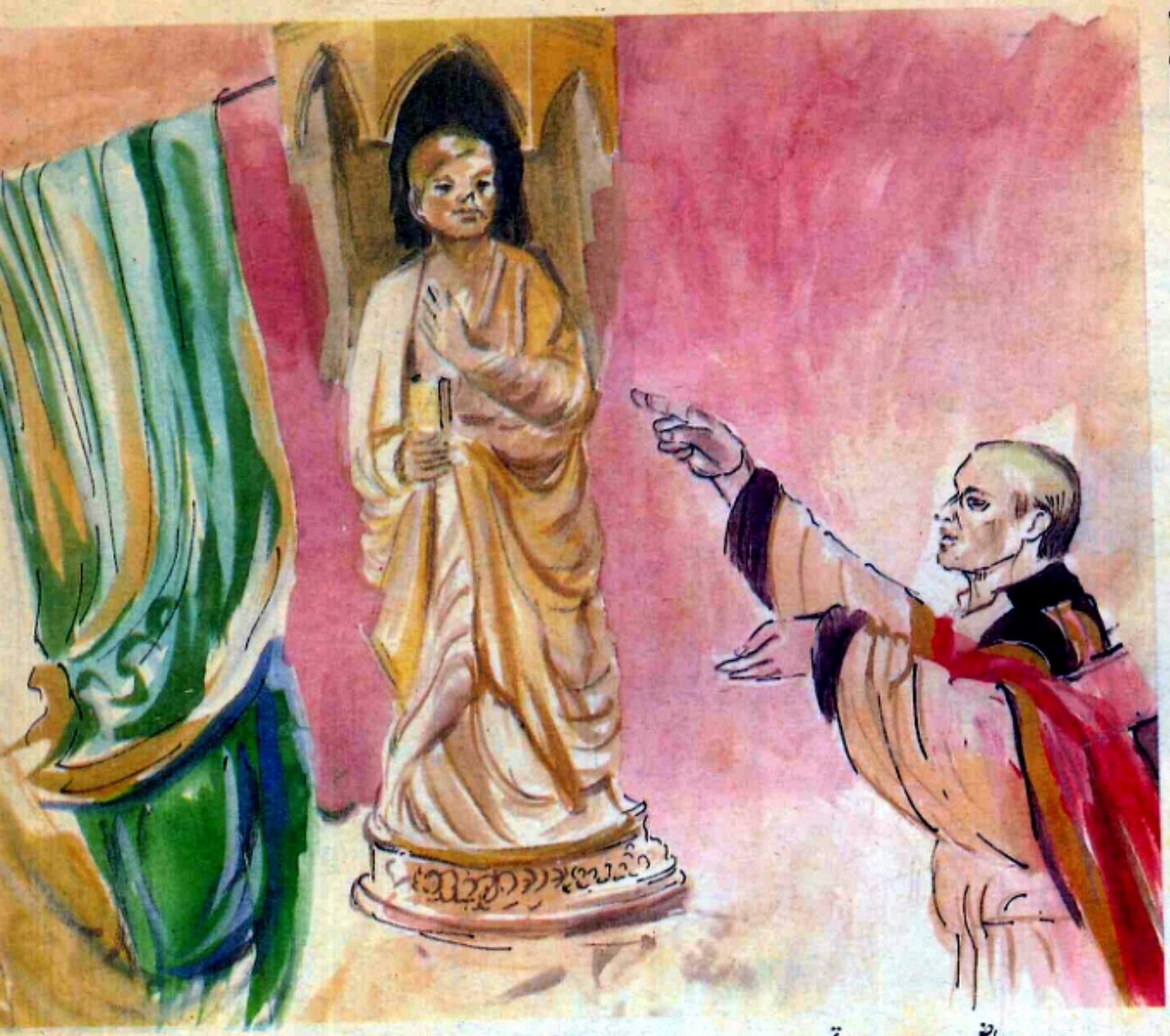

آدھی رات کا وقت تھا اسلامی فوج کے سپہ سالار عمرو بن العاصؓ اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑے کچھ دور موجود چند سائے دیکھ رہے تھے۔ جو ایک طرف چلے جا رہے تھے۔ "یہ لوگ کدھر جا رہے ہیں؟ کیا ان کو کسی تکلیف کا سامنا ہے؟" حضرت عمرو بن العاصؓ نے اپنے آپ سے سوال کیا اور کچھ سوچ کر سایوں کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی آپؓ تھوڑا آگے ہی گئے تھے کہ آپ کو احساس ہوا۔ کوئی آپؓ کے پیچھے چلا آرہا ہے آپ رک گئے اور مڑ کر دیکھا تو آپ کا وفادار غلام سعید نظر آیا۔

"سعید تم واپس چلے جاؤ۔" حضرت عمرو بن العاصؓ بولے۔

"حضور دیکھئے یہ اپنا وطن نہیں ہے آپ فاتح ہیں اور عیسائی مفتوح کہیں ایسا نہ ہو کہ عیسائی آپ کو نقصان پہنچائیں۔" غلام نے جواب دیا۔

"نہیں تم واپس جاؤ میرے ساتھ وہ ہستی ہے جس کے قبضہ میں ساری کائنات ہے۔" حضرت عمرو بن العاصؓ بولے اور غلام واپس ہو گیا۔ آپؓ آگے بڑھے۔ چوک بازار کے وسطی حصے میں ایک اونچے چبوترے پر مسیح کا سنگ مرمر کا مجسمہ چاندنی رات میں چمک رہا تھا اور عیسائی اس کے سامنے کھڑے تھے وہ سخت اشتعال میں تھے۔ ان کے مجسمے کی ناک کسی نے توڑ دی تھی۔ عیسائیوں کا پادری "آرک بشپ" بولا "مسلمانوں کے سپہ سالار نے اس بات کا یقین دلایا تھا کہ مصر کے ہر شہری کے مذہبی جذبات کا پورا احترام کیا جائے گا مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلط یقین دہانی تھی کیونکہ کسی نے ہماری سب سے مقدس ہستی کی ناک توڑ دی ہے۔ اب مسلمانوں کے سپہ سالار سے پوچھا جائے کہ کیا مسلمان جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ ابھی یہ فقرہ فضا میں گونج ہی رہا تھا کہ ایک آواز آئی۔ "نہیں مسلمان جھوٹے وعدے نہیں کیا کرتے۔" سب عیسائی چونک اٹھے اور ان کی نظریں اس شخص پر جم گئیں۔ جس نے یہ فقرے ادا کئے تھے۔ "آپ اور یہاں" پادری بولا اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو پہچان لیا تھا۔

"بشپ تم نے مسلمانوں کو وعدہ خلاف کہا ہے یہ غلط ہے ہر مسلمان اپنے وعدے کو ضرور پورا کرتا ہے چاہے اس کی جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔" حضرت عمرو بن العاصؓ بولے۔

کیا میں غلط کہہ رہا ہوں کیا ہمارے مذہبی جذبات کا احترام کیا گیا؟ بشپ نے کہا

"مجھے اس واقعہ پر دلی افسوس ہے۔" حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا

"آپ کو اس واقعہ سے افسوس ہوا ہے۔ آپ کو اس واقعہ سے دکھ ہوا ہے مگر اس سے ہمارے دکھ میں کیا کمی واقع ہو سکتی ہے۔

"پادری ارک بشپ نے چبھتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں آپ لوگوں کو یقین دہانی کرواتا ہوں کہ آپ کا نقصان ضرور پورا کیا جائے گا۔ آپ کی مقدس ہستی کی ناک دوبارہ بنوادی جائے گی۔" حضرت عمرو بن العاصؓ بولے۔ بہت بہت شکریہ مگر جو نئی ناک بنائی جائے گی وہ بدزیب دکھائی دے گی۔" آرک بشپ بولا۔

"اگر ایسا ہے تو میں آپ کو اپنے خرچ سے نیا مجسمہ بنوا دوں گا۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ بولے۔

"نہیں نہیں ہمیں نیا مجسمہ نہیں چاہیے۔" آرک بشپ ہاتھ لہرا کر بولا۔

"ہم انتقام چاہتے ہیں۔ ناک کے بدلے ناک۔ ہم سے انصاف کیا جائے۔"

"تم لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔" یہ کہہ کر حضرت عمرو بن العاصؓ واپس ہو لئے۔ صبح ہوئی عیسائی باشندے آپ کے خیمے کے سامنے جمع ہونے شروع ہو گئے۔ وہ لوگ یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اسلامی سپہ سالار کیا انصاف کرتا ہے؟ مسلمان بھی خیمے کے پاس اکٹھے ہو گئے۔ سورج طلوع ہوا تو آپ خیمے سے باہر نکلے اور بولے "آرک بشپ کیا اب بھی تمہارا وہی فیصلہ ہے جو رات تھا۔"

"کیا مجھے اپنا فیصلہ دہرانے کی ضرورت ہے؟" آرک بشپ بولا۔

"بشپ میں اسلامی لشکر کا سردار اور فاتح ہوں اس ملک میں امن وامان قائم رکھنا میری ذمہ داری ہے۔ میں نے تمہیں یقین دلایا تھا کہ تمہارے ساتھ پورا انصاف کیا جائے گا۔ تم ناک کے بدلے ناک چاہتے ہو تو یہ لو خنجر اور میری ناک کاٹ لو۔" حضرت عمرو بن العاصؓ بولے اور ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

آرک بشپ نے خنجر سنبھالا اور قریب تھا کہ آپؓ کی ناک کاٹ لیتا مسلمانوں میں سے ایک شخص بھاگتا ہوا آیا اور چلایا۔ "بشپ ٹھہر جاؤ مجسمے کی ناک میں نے توڑی تھی مجرم میں ہوں سزا مجھے ملنی چاہیے سپہ سالار کا کوئی جرم نہیں ہے۔"

آرک بشپ کی نظریں مجرم مسلمان پر پڑیں پھر اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کی طرف دیکھا اور خنجر ایک طرف پھینک دیا اور بولا۔ "قابل تحسین ہے مسلمانوں کا سپہ سالار کہ اس نے جو کہا تھا پورا کر دیا اور قابل تحسین ہے مسلمان مجرم سپاہی جس نے اعتراف جرم کر کے اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کر دیا۔ اور سب سے زیادہ قابل تحسین وہ پیغمبر ہے جس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی کا اس قدر بلند نصب العین دیا ہے۔ ہمارے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی گئی یہ جرم تھا مگر اس سے بھی بڑا جرم یہ ہو گا کہ اس کی سزا ایسے لوگوں کو دیجائے جو انصاف کرنا جانتے ہیں۔ میں عیسائی قوم کی طرف سے یہ جرم معاف کرتا ہوں۔"

حضرت عمرو بن العاصؓ نے ثابت کر دیا کہ مسلمان اپنے قول سے کبھی نہیں پھرتا اور جان کی بازی لگا کر بھی عہد پورا کرتا ہے۔

بقیہ۔۔۔ قلعہ روہتاس

روہتاس دراصل دو قلعہ ہیں

اچھا۔! ہیبت خان نے کہا۔

قلعہ جو شیر شاہ سوری نے بنایا وہاں کبھی راجہ اندر کا قلعہ ہوا کرتا تھا۔

اس بنا پر آبادی نے اس قلعہ کا نام اندر کوٹ رکھا۔

لیکن میں نے تو اندر سبھا کا نام سنا ہے۔

ہاں قلعہ کے اندر محلات اندر سبھا کے مقام پر تعمیر کئے گئے ہیں۔

قلعہ اندر کوٹ ۱۵۳۹ء سے ۱۵۴۱ء تک بنا اور دوسرا قلعہ۔

کمال نے تعجب سے سوال کیا لوناں بادشاہ زادی کی نمک منڈی استعمال سے منڈی رہ گئی۔

منڈی کے سربراہ کمال چشتی نے سلیم شاہ سے درخواست کی کہ منڈی شہر کے رہنے والوں کے گھروں کے گرد ایک دیوار بنادو۔

دوسرا قلعہ اہل منڈی کے گھروں کی پچھلی دیواروں کے ساتھ ساتھ لگتا ہوا بنایا گیا۔

اس کا سن تعمیر ۱۵۴۸ء سے ۱۵۵۱ء ہے اسے روہتاس ۱۵۶۰ء کے بعد پکارا جانے لگا۔ کمال اپنے نام پر بڑا فخر محسوس کرنے لگا کہ کبھی اسکا ہم نام منڈی کا بادشاہ ہوا کرتا تھا۔

بچوں کی سبھا نے فیصلہ کیا کہ وہ دسمبر کی چھٹیوں میں قلعہ روہتاس ضرور دیکھنے جائیں گے۔

انعام یافتہ کہانی

اگر میں کسی محکمے کی سربراہ ہوتی

فریحہ ابتسام راؤ
لاہور

اگر میں "محکمہ تعلیم" کی سربراہ یعنی "وزیر تعلیم" ہوتی تو سب سے پہلے دستخط کرنا سیکھتی تاکہ عین وقت پر انگوٹھا لگانے سے ہماری "جاہلیت" کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔

اس کے بعد ہم ان صحافیوں پر فی الفور پابندی لگا دیتے جو خواہ مخواہ ہی یہ غلط پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ "قلم، کلاشنکوف سے زیادہ طاقتور ہے" بھلا کہاں اتنی وزنی کلاشنکوف اور کہاں ایک مریل سا قلم؟ ہم ٹیوشن سنٹرز کو تعریفی اسناد عطا کرتے کیونکہ وہ سرکاری سکولوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اچھے نتائج دکھاتے ہیں باوجود یکہ اساتذہ وہی ہوتے ہیں۔ اصل میں صبح کے وقت وہ اساتذہ اتنے زیادہ بچوں کو سامنے دیکھ کر "بے آرامی" کا شکار ہو جاتے ہیں اور شام تک ان کا موڈ بحال ہو جاتا ہے لہذا وہ شام کو پڑھانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ ہر سکول کے ساتھ گھوڑوں کا ایک اصطبل کھلواتے۔ پھر ان گھوڑوں کے آگے جتوانے کے لیے ریڑھے بھی بنواتے۔ اس طرح یہ ریڑھے نرسری کلاسز کے بچوں کے صرف ایک بستے کا بوجھ گھر سے سکول اور سکول سے گھر تک لاتے جسے اٹھانا یقیناً کسی "انسان" کے بس کی بات نہیں ہے۔ ویسے تو اس مقصد کے لیے رکشہ ٹیکسیاں بھی استعمال کی جاسکتیں ہیں۔ مگر چونکہ ابھی موٹروے نہیں بنی اور آلودگی کا بھی مسئلہ ہے لہذا فی الحال ریڑھے پر اکتفا کریں۔ یاد رہے کہ ایک ریڑھا "ایک بستے" کا بوجھ لاد سکے گا بچے کو یا تو پیدل چلنا چاہیے کہ ورزش ہو جائے گی یا پھر اس کے آنے جانے کا انتظام والدین خود کریں۔

آج کل بچے سکولوں سے بھاگتے ہیں ہم اس کا تدارک اس طرح کرتے کہ سکولوں میں ایک پیریڈ وڈیو گیمز کا بھی شروع کرواتے۔ اس سے ایک تو طلبہ کی غیر حاضریاں کم ہو جائیں گی۔ دوسرے استاد صاحبان کو یہ بھی علم ہو سکے گا کہ جن طلبار کو وہ نرسری سے کند ذہن تصور کیے ہوئے ہیں وہ کتنی ذہانت سے وڈیو گیمز کھیلتے ہیں۔ ہم ممتحن حضرات کے لیے یہ حکم جاری کرتے کہ وہ "نمبر لگانے" کے ریٹس (Rates) طلبار کی مالی حالی دیکھ کر لگایا کریں تاکہ غریب طلبار جو ان کی مٹھی مطلوبہ حد تک گرم نہیں کر سکتے، بھی پوزیشنیں لے سکیں اور وہ اس طرح محض اپنی غربت کے باعث پیچھے رہ جانے سے بچ جائیں گے۔

ہم سرکاری گرلز سکولوں کے اچانک دورے کیا کرتے اور اس طرح ہماری صدارت ان لذیز کھانوں سے کی جاتی جو پڑھائی کے اوقات میں خاتون اساتذہ اپنے لیے تیار کرتی ہیں اور پھر زیادہ اچھا اور مزیدار کھانا پکانے والی استانی کو "بہترین خانہ دار خاتون" کا ایوارڈ دیتے۔

ارے! یہ کیا؟ یہ محب وطن قسم کے والدین کے چہرے ہماری تجاویز سنکر متفکر ہوتے جا رہے ہیں۔ اوہو! یہ سب سے آگے تو ہمارے اپنے والدین کھڑے ہیں ان کے چہرے پر پریشانی کے ساتھ ساتھ غصہ بھی ہے اور یہی نہیں امی کے ہاتھ میں جوتا بھی ہے۔ اوہو! تو عزیز ہم وطنو! آج کے لیے اتنا کافی ہے کیونکہ ہماری امی بہت اچھی نشانہ باز ہیں اور خصوصاً ہمارے سر کا نشانہ تو۔۔۔۔

(مصنفہ کو ایک سال کے لیے ماہنامہ دوست اعزازی ارسال کیا جائے گا)

"دوست" سے دوستی کیجیے
قلمی دوستی کا کوپن بھیجیے
نام _____
عمر _____
مشغلہ _____
پتہ _____
_____

کہانی بنائیں

بلّی اور چوہے کا کھیل

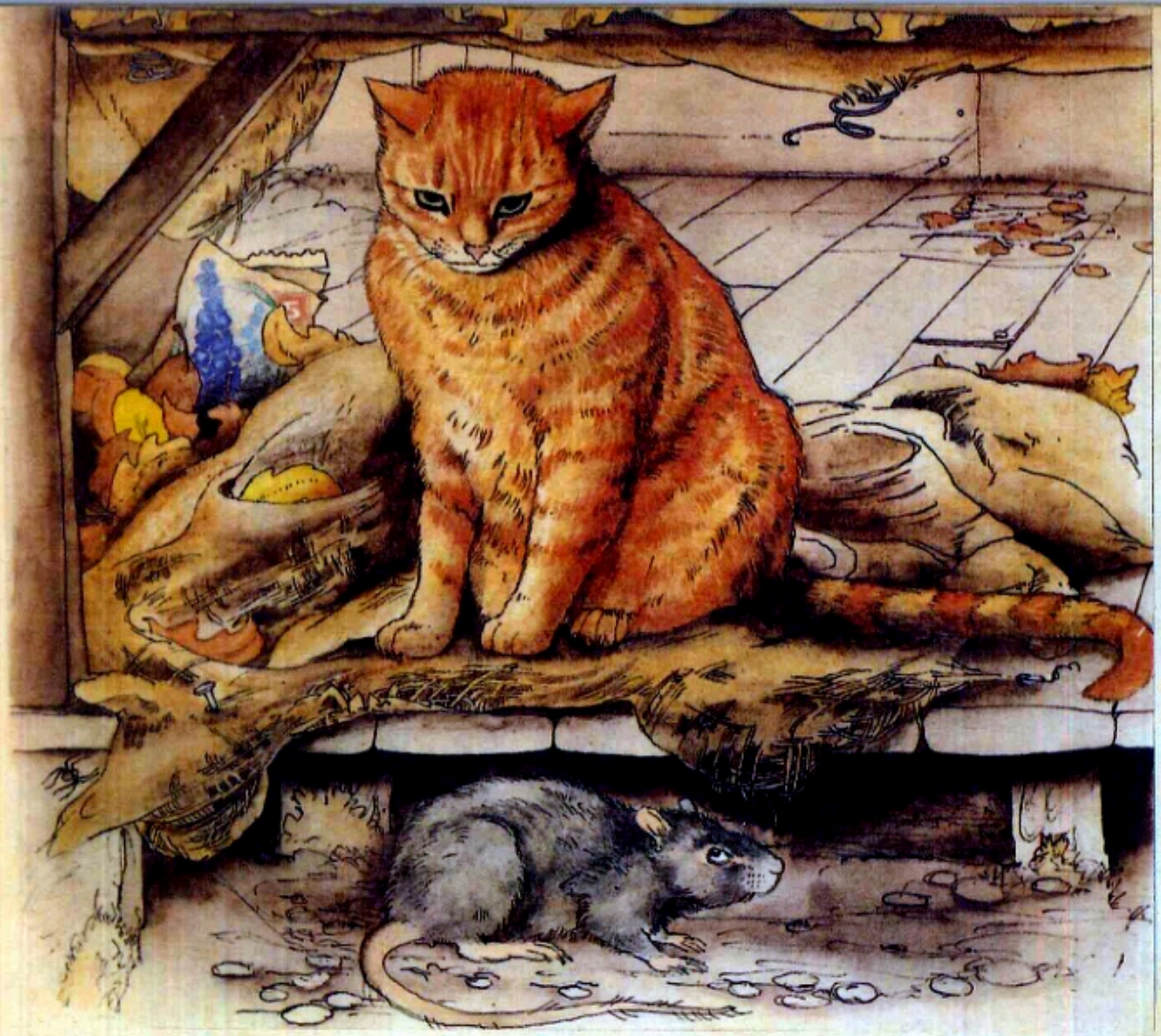

بلی اور چوہے کا کھیل بہت قدیم ہے۔۔۔اتنا قدیم، جتنی انسانی تاریخ۔۔۔بلی چوہے کی دشمن ہے۔۔ہے نا۔۔، مگر یہ تو بتائیں کہ آخر یہ دشمنی کب، اور کیوں شروع ہوئی۔۔ خیر اسے بھی جانے دیں۔۔فی الحال تو ہمیں ایک مسئلہ درپیش ہے۔۔وہ مسئلہ کیا ہے۔۔؟ آپ اوپر دی ہوئی تصویر دیکھ کر اندازہ لگالیں۔۔بلی کمرے میں تاک لگا کر بیٹھی ہے۔۔وہ کمرے میں آئی کیسے، یہ بھی آپ بتائیں۔۔اور اب صورتحال یہ ہے کہ چوہا بلی مانو سے چھپ کر دبکا بیٹھا ہے۔۔ باہر نکلتا ہے تو بلی کا نوالہ بنتا ہے اور اگر اسی طرح یہاں چھپ کر بیٹھا رہتا ہے تو۔۔۔ تو۔۔بھوکا مرجاتا ہے۔اب آپ اپنے ذہن پر زور دے کر کوئی ایسا حل نکالیں کہ بلی اس چوہے کو معاف کر دے اور اس سے پکی دوستی کرلے۔۔ زمانہ، قدیم کی یہ دشمنی دوستی میں کیسے تبدیل ہوگی۔یہ آپ ہمیں بتائیں۔

دشمنی کو دوستی میں تبدیل کرنے کے سب سے بہترین حل بھیجنے والے دوست کو ہم چھ ماہ کے لیے ماہنامہ دوست اعزازی ارسال کریں گے۔

آپ کی تحریر ہمیں بارہ مئی ۱۹۹۳ تک موصول ہو جانی چاہیے۔ تحریر صاف کاغذ پر ایک طرف اور زیادہ سے زیادہ ایک صفحے پر مشتمل ہو۔

شاباش ہمت کیجئے۔۔ذرا سوچ سمجھ کر، کیونکہ معاملہ کسی کی زندگی کا ہے۔

عنوان بتائیں

بلا عنوان کے لیے درج ذیل دوستوں نے ہمیں اپنے عنوان ارسال کئے۔

خرم طارق جگنو، گوجرانوالہ۔ ایم ایس اعجاز، کراچی۔ محمد یونس، فیصل آباد۔ پرنس بادل، اوکاڑہ۔ محمد منصور سرور، خوشاب۔ عمران صدیق، لالہ موسی۔ رضوان نیازی، بھکر۔ آصف شہزاد، بھکر۔ لطیفہ ابراہیم، کراچی۔ مبین احمد، بھکر۔ محمد علی سائر، حیدر آباد۔ خالد چشتی، لاہور۔ حنیف ابراہیم، کراچی۔ ریحان اشرف، لاہور۔ محمد اشرف گھانچی، کراچی۔ شگفتہ ناہید، جہلم۔ پرنس فرحت، کراچی۔ محمد بلال، سوات۔ ذیشان ایوب، لاہور۔ امان اللہ، عظمی نورین، اوکاڑہ۔ حمیرا سرور، گوجرانوالہ۔ رانا آصف، کامونکی۔ شکیل احمد، کامونکی۔ زر افشاں گورایہ، گوجرانوالہ۔ چوہدری محمد قاسم گورایہ، گوجرانوالہ۔ اختر منیر عقاب، مردان۔ طارق رفیق بھٹی، اوکاڑہ۔ اے نثار صدیقی، جنڈانوالہ۔ رانا اصغر علی انجم، خوشاب۔ سنبل گلزار علی، کراچی۔ سید فرحان فاروق، لاہور۔ کامران آصف، لاہور۔ رابعہ، حمیرا، سعدیہ حشمت پشاور۔ عمارہ مبین، لاہور۔ محمد عمران، لاہور۔ سید ارشاد شاہ، کراچی۔ ضیاء الحق، طاہر اقبال، کھاریاں۔ رانا راشد علی، فیصل آباد۔ محمد بلال حسنین، لاہور۔ محمد عاقل خان، سکھر۔ محمد سلیم رضا، لاہور۔ ادیس قرنی، بھکر۔ غفار فاروق، جنڈانوالہ شاہد انور شہزاد، ملتان۔ فرخندہ جبین، مردان۔ اظہر حسین، خانیوال۔ مظہر چشتی، خانیوال اور ایم وقاص انجم، منڈی مرید کے۔

تاہم مصنفین کے فیصلے کے مطابق پشاور کی رابعہ حشمت کے عنوان **"میں بھی تو اس قوم کا مستقبل ہوں"** کو انعام کا حقدار ٹھہراتے ہوئے چھ ماہ کے لیے ماہنامہ دوست اعزازی ارسال کیا جارہا ہے۔

Kashif Bashir Kashif - 0333-6912300 (Editor; www.jawanadab.com)

آپ کے شہر میں "دوست" کے میزبان اور ہمارے مہربان

افضل نیوز ایجنسی، چوک یادگار، پشاور۔ فون 212515

رحمان نیوز ایجنسی، جھنگی سٹریٹ، پشاور۔ فون 212147

سلطان نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ، لاہور۔ فون 358249

نیشنل نیوز ایجنسی، شمبھو ناتھ روڈ، کراچی۔ فون 5688828

گوشہ ادب، سرکلر روڈ، کوئٹہ۔ فون 61626

بیکن بکس، گلگشت کالونی، ملتان۔ فون 40790

شمع بکسٹال، بھوانہ بازار، فیصل آباد۔ فون 613449

آزاد بکڈپو ۲۱۳۔ صدر بازار، حیدر آباد فون 29113

اکبر نیوز ایجنسی، حیدر چوک گاڑی کھاتہ، حیدر آباد فون 660070

اسٹائل نیوز ایجنسی، اسٹیشن روڈ سکھر۔

پاکستان سٹینڈر بکسٹال بلاک نمبر 11 سرگودھا۔ فون 60951

رحمت بکسٹال، نزد ریلوے پل، اوکاڑہ۔

دائم اقبال اکیڈمی، منڈی بہاؤالدین فون 2070

اسلامی کتب خانہ، جدید بازار، رحیم یار خان۔ فون 2234

ماڈرن بکڈپو، عزیز شہید روڈ، سیالکوٹ فون 56184

خالد بکسٹال، مسلم بازار، گجرات فون پی پی 3731

القائم بکڈپو، مین بازار، خوشاب۔ فون 5424

راجہ برادرز، رحیم بازار، ڈیرہ اسماعیل خان۔ فون 3722

چوہدری نیوز ایجنسی، کوٹلہ ارب علی خان، ضلع گجرات

شعیت سنز، جی ٹی روڈ، مینگورہ (سوات)

وارث سنز بکڈپو، صرافہ بازار، پنڈ دادن خان۔ فون 138

سعید بک سیلرز، ہارون آباد ضلع بہاول نگر۔ فون 2548

بٹ سٹیشنری مارٹ، مین بازار کھاریاں۔ فون 2752

اقبال پرویز نیوز ایجنسی، بالمقابل اسٹیشن، گوجرانوالہ۔ فون 72449

نقش کتاب گھر، سیٹلائٹ ٹاؤن، میرپور خاص (سندھ)۔

پاکستان نیوز ایجنسی پسرور، ضلع سیالکوٹ فون 2646

اسلامی کتب خانہ، احمد پور شرقیہ۔ فون 763

شہزاد نیوز ایجنسی، پاشا سٹریٹ، ساہیوال۔ فون 2601

حیدر نیوز ایجنسی، قاضیاں، تحصیل گوجر خان

شمع بک ایجنسی، بینک روڈ مردان۔ فون 4947

شاہین نیوز ایجنسی، مین بازار، لالہ موسی ضلع گجرات

فضل سبحان نیوز ایجنسی، جی ٹی روڈ، اکوڑہ خٹک

صمد نیوز ایجنسی، بس سٹینڈ، حاصل پور۔

مرزا نیوز ایجنسی، بس سٹینڈ سوہاوہ ضلع جہلم

ظفر بکڈپو اردو بازار، سرگودھا فون 65388

مغل نیوز ایجنسی نسبت روڈ ڈسکہ ضلع سیالکوٹ

اتحاد نیوز ایجنسی اخبار مارکیٹ، راولپنڈی

بدر نیوز ایجنسی، گلشن چوک جی ٹی روڈ مینگورہ (سوات) فون 6013

اعجاز نیوز ایجنسی، بس سٹاپ، اخبار مارکیٹ حویلیاں (ہزارہ)

صوفی علی محمد خان (نیوز ایجنٹ) علی پور بازار پلندری آزاد کشمیر

پیراماؤنٹ نیوز کارنر، ڈیرہ غازی خان

رسول جو، حسن جو (نیوز ایجنٹس) صدر بازار سکردو، بلتستان۔

قریشی نیوز ایجنسی، کوٹلی آزاد کشمیر۔

کیپیٹل نیوز ایجنسی، شاہی بازار بہاول پور فون 2957

سید فاروق حسین شاہ (نیوز ایجنٹ) چوآسیدن شاہ ضلع چکوال

ملک نیوز ایجنسی، تونسہ شریف، ضلع ڈیرہ غازی خان۔ فون 778

ہارون کاپی ہاؤس، نزد بس سٹینڈ، فقیر والی، ضلع بہاولنگر

جام پور نیوز ایجنسی، جام پور ضلع راجن پور فون 341

Monthly DOST Islamabad Regd. No. R-433

دنیا بھر کا کلاسیکی اور عظیم ادب، بچّوں اور بڑوں کے لیے

ستار طاہر کے قلم سے ترجمہ و تلخیص

پریوں اور جنوں
کے دیس میں
ایک نوجوان کی
پر خطر مہم
58.00 روپے
Cat.No. 0301-001

یادگار کرداروں
پر مبنی یادگار
ڈرامہ
محبت، ایثار اور
انتقام کا افسانہ
48.00 روپے
Cat. No. 0301-002

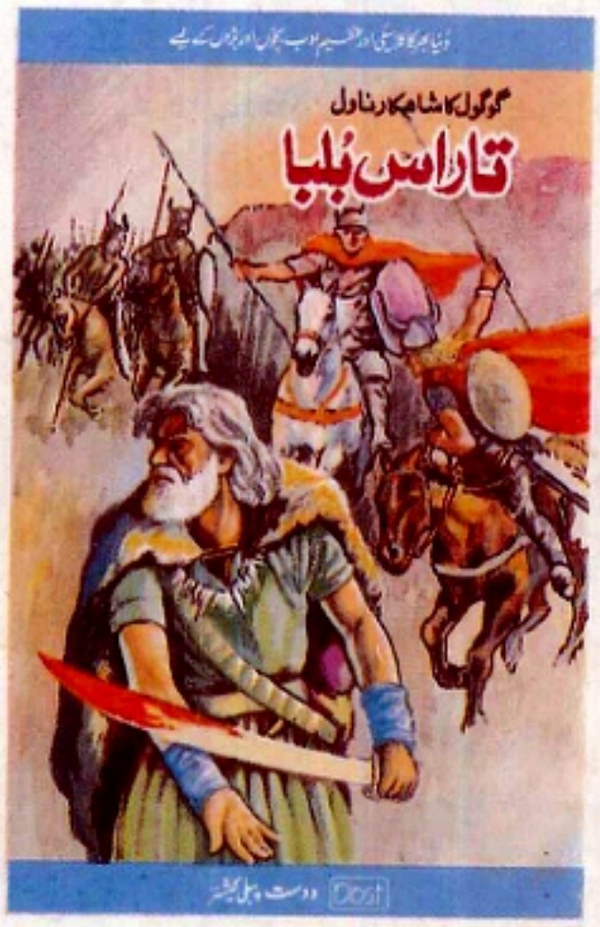

ایک سورما کی
کہانی، جس نے
بہادری اور شجاعت
کی نئی مثال
قائم کی
62.00 روپے
Cat. No. 0301-003

انقلاب فرانس سے
جنم لینے والی
ایثار اور قربانی
کی ایک لازوال
کہانی
65.00 روپے
Cat. No. 0301-004

ماہنامہ دوست کے سالانہ خریداروں کے لیے 15% خصوصی رعایت۔
آرڈر کے ساتھ اپنا سالانہ خریداری نمبر لکھیں اور رعایت حاصل کریں۔

شائع ہو گئی ہیں
آج ہی طلب فرمائیں۔

چاروں کتابیں ایک ساتھ منگوانے
پر ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

رابطہ کیلئے : دوست پبلیکیشنز 1 شکیل چیمبرز، خیابان سہروردی اسلام آباد پوسٹ بکس نمبر: 2958
فون نمبر: 216738